اللہ رے یہ وُسعتِ آثارِ مدینہ
عالَم میں ہیں پھیلے ہُوئے انوارِ مدینہ
جامعہ مدنیہ جدید کا ترجمان
علمی دینی اور اصلاحی مجلّہ
انوارِ مدینہ
لاہور
بیاد
عالِمِ ربّانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاںؒ
بانیٔ جامعہ مدنیہ جدید
نومبر ۲۰۱۷ء

ماہنامہ
انوار مدینہ

شمارہ : ۱۱	صفر المظفر ۱۴۳۹ھ / نومبر ۲۰۱۷ء	جلد : ۲۵

سیّد محمود میاں	سیّد مسعود میاں
مُدیر اعلیٰ	نائب مُدیر

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ 25 روپے......سالانہ 300 روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات.....سالانہ 50 ریال
بھارت، بنگلہ دیش .... سالانہ 13 امریکی ڈالر
برطانیہ، اَفریقہ .... سالانہ 13 ڈالر
اَمریکہ .... سالانہ 16 ڈالر
جامعہ مدنیہ جدید کی ویب سائٹ اور اِی میل ایڈریس
www.jamiamadniajadeed.org
E-mail: jmj786_56@hotmail.com

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے

''جامعہ مدنیہ جدید'' محمد آباد 19 کلومیٹر رائیونڈ روڈ لاہور
اکاؤنٹ نمبر انوارِ مدینہ
0954-020-100-7914-2
مسلم کمرشل بنک کریم پارک برانچ راوی روڈ لاہور (آن لائن)
رابطہ نمبر : 0333-4249302
جامعہ مدنیہ جدید : 042 - 35399051
خانقاہِ حامدیہ : 042 - 35399052
موبائل : 0333 - 4249301

مولانا سیّد رشید میاں صاحب طابع وناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپواکر
دفتر ماہنامہ ''اَنوارِ مدینہ'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

حرفِ آغاز		۴
درسِ حدیث	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۷
صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت	حضرت اقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ	۱۰
سیرتِ پاک کا اِزدواجی پہلو اور مسئلہ کثرتِ ازدواج	حضرت اقدس مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنیؒ	۲۲
تبلیغِ دین	حجۃ الاسلام حضرت اِمام غزالیؒ	۳۱
فضائل مسجد	حضرت مولانا صدرالدین صاحب انصاری	۳۷
عقیدۂ ختم نبوت کی عظمت واہمیت	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہیدؒ	۴۶
اولاد کی تعلیم وتربیت	حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ	۴۶
دل کی حفاظت	حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری	۵۵
اخبار الجامعہ		۶۴

انتباہ

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہِ حامدیہ کے پرانے فون نمبر تبدیل ہوگئے ہیں

اور نئے نمبر درج ذیل ہیں قارئین کرام نوٹ فرمالیں

+92 - 42 - 35399051

+92 - 42 - 35399052

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ !

پاکستان کی بنیاد ایک مبارک کلمہ ہے اس کو ''کلمہ طیبہ'' کے نام سے ہر مسلمان جانتا اور مانتا ہے اس کے دو اجزاء ہیں :

☆ پہلا جز ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ '' ہے اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے اس کو ''کلمہ توحید'' کہتے ہیں۔

☆ دوسرا جز'' مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ '' ہے اس کا مطلب ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اس کو ''کلمہ رسالت'' کہتے ہیں۔ ان دو کلموں میں اللہ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کا ذکر ہے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لیے ان دونوں باتوں کا زبان سے اقرار اور دل میں تصدیق ضروری ہے ان دو میں سے کسی ایک کے انکار یا شک سے انسان دائرہ اسلام سے نکل کر کافر ہو جاتا ہے بایں وجہ جب مملکتِ خداداد پاکستان کے وجود کی بنیاد اور اساس یہ دونوں باتیں ٹھہریں تو خود بخود پاکستان کے وجود کی بقا کا انحصار اِن دو کلموں پر ہوگا اسی توحید و رسالت کے مجموعہ کو ہم ''کلمہ طیبہ'' کے نام سے جانتے پہچانتے ہیں۔

گزشتہ ماہ وزارتوں اور سرکاری اداروں میں موجود قادیانیوں نے خفیہ سازش کے ذریعہ کاغذاتِ نامزدگی میں عقیدۂ ختم نبوت کے حلف نامہ 7B اور 7C میں تحریف کر کے پاکستان کی اساس کو تباہ کرنے کا باغیانہ اقدام کیا۔

بھلا ہو بعض ارکانِ اسمبلی اور سینٹ کا جن کے کان میں اس خطرناک سازش کی بھنک پڑی اور پورے ملک میں خطرے کا بگل بجتے ہی یہودیوں کے وفادار خونخوار احمدی بھیڑیوں کی ناموسِ رسالت پر حملہ کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی پوری قوم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ناموسِ ختم نبوت کی عصمت کی حفاظت کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی اور ۵/ اکتوبر کو قومی اسمبلی نے ختم نبوت حلف نامہ کی بحالی کا بل متفقہ طور پر منظور کرتے ہوئے احمدی دجالوں کا دجل اُن کے منہ پر دے مارا..........والحمدللہ۔

ہم اس موقع پر مناسب خیال کرتے ہیں کہ ختم نبوت سے متعلق جدِامجد سیّد الملۃ حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک انتہائی سادہ، دلنشیں اور پُر مغز تحریر اپنے مسلمان بھائیوں کو بطور ہدیۂ خالصہ کے پیش کریں جو طالبعلموں کے لیے سوال و جواب کی صورت میں ''دینی تعلیم کا سالہ'' نمبرے میں رقم ہے :

ختم نبوت اور خاتم الانبیاء

'' آج جمعرات ہے آج علمی مذاکرہ کا دن ہے

یعنی اُستاذ صاحب طلبہ کے ساتھ بیٹھتے ہیں علمی باتیں ہوتی ہیں

اُستاذ صاحب سوال کرتے ہیں طلبہ جواب دیتے ہیں اور کسی طالب علم کے ذہن میں کوئی بات آتی ہے وہ اُستاذ صاحب سے دریافت کرتا ہے تو اُستاذ صاحب اُس کا جواب دیتے ہیں اور اگر آج موقع نہیں ہوتا تو ایک دن مقرر کر لیتے ہیں کہ اس روز اس کا جواب سمجھائیں گے۔

آج ایک طالب علم نے جس کا نام ''مناظر'' ہے اُستاذ صاحب سے سوال کیا :

آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی کیوں نہیں پیدا ہوا ؟ ؟

حضرت اُستاذ صاحب : ضرورت نہیں رہی ! ! !

مناظر نے بہت تعجب سے کہا : حضرت ضرورت کیوں نہیں رہی ! ! ہر قسم کی برائی موجود ہے بلکہ دن بدن بڑھ رہی ہے پھر ضرورت کیسے نہیں ؟ ؟ ؟

حضرت اُستاذ : برائی تو ہر زمانہ میں رہی اس دنیا میں جیسے گرمی اور سردی ہے، اندھیری اور روشنی ہے، خوبصورتی اور بدصورتی ہے، کوئی ایک چیز کبھی بھی ختم نہیں ہو جاتی سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے ایسے ہی حق اور باطل، خیر اور شر، بھلائی اور برائی، سچ اور جھوٹ بھی ہے، یہ عالم کچھ اسی طرح بنا ہے کہ خوبی اور خرابی دونوں ہی رہتی ہیں یہ ضرور ہوتا ہے کہ کبھی کسی جگہ ایک کی زیادتی دوسری کی کمی ہو جاتی ہے لیکن دنیا سے ناپید نہیں ہوتی خود آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں دنیا برائی سے خالی نہیں ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کے مبارک دور میں یہ کامیابی ضرور ہوئی کہ حجاز شریف سے کفر اور شرک مٹ گیا لیکن حجاز کے علاوہ تمام دنیا میں کفر ہی کفر تھا ! ! !

پس نبی کی ضرورت کا مدار اِس پر ہے کہ دین ناتمام اور نامکمل ہو یا سچے دین کی تعلیم دنیا سے مٹ جائے تب بے شک نبی آتا ہے تاکہ خدا کے دین کی تعلیم کو پورا کرے اور دین مٹ گیا ہے تو پھر زندہ کرے۔''

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان اور اس کی اساس کلمہ توحید و رسالت کی حفاظت فرمائے اور اُن لاکھوں مردوں اور عورتوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی بنیاد پر قائم ہونے والے خطہ پر اپنا مال اپنی آبروئیں، اولادیں اور جانیں قربان کر کے جام شہادت نوش کیے۔

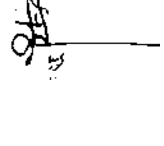

درسِ حدیث

حضرت اقدس پیرو مرشد مولانا سیّد حامد میاں صاحب ؒ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہِ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ انتظام ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدس ؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ حضرتِ اقدس ؒ کے اِس فیض کو تا قیامت جاری و مقبول فرمائے، آمین۔

چھوٹے گناہوں پر بھی گرفت ہو سکتی ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ !

حضرت انس رضی اللہ عنہ جو آقائے نامدار ﷺ کے خادمِ خاص تھے دس سال آقائے نامدار ﷺ کی خدمت میں رہے سو سال سے زیادہ عمر پائی جنابِ رسالت مآب ﷺ جب تک دنیا سے رخصت نہیں ہوئے آپ ان کی خدمت میں رہے بعد میں آپ بصرہ میں رہنے لگے کبھی کبھی کوفے اور شام بھی تشریف لے جاتے تھے اور حج کے لیے تو تمام اسلاف بکثرت سفر کیا کرتے تھے، اپنے شہر والوں کو آپ نے ایک نصیحت فرمائی لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا کہ تم بہت سے ایسے کام کرتے ہو ھِیَ اَدَقُّ فِیْ اَعْیُنِکُمْ مِّنَ الشَّعْرِ جو تمہاری نظر میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں حالانکہ کُنَّا نَعُدُّھَا عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ [1] ہم جنابِ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ان کو مہلکات میں شمار کرتے تھے یعنی جن کاموں کو آج تم معمولی گناہ سمجھتے ہو اُنہیں ہم آقائے نامدار ﷺ کے زمانہ میں بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت محمد ﷺ کی عاقل ترین

[1] مشکوۃ شریف کتاب الرقاق رقم الحدیث ۵۳۵۵

بیوی تھیں فرماتی ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ یَاعَائِشَۃُ اِیَّاکِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ اے عائشہ ! جو چھوٹے چھوٹے اور حقیر گناہ معلوم ہوتے ہیں اُن سے بھی بچتی رہو فَاِنَّ لَھَا مِنَ اللّٰہِ طَالِبًا ۱؎ کیونکہ ان چھوٹے گناہوں پر بھی اللہ کی طرف سے گرفت ہوسکتی ہے جیسا کہ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک عورت نے بلی کو محبوس کر رکھا تھا اُس کو نہ کھلاتی اور نہ پلاتی آخر کار وہ بلی مرگئی تو خدا تعالیٰ نے اِسی گناہ کے سبب اسے دوزخ میں ڈال دیا۔

بلی جو ایک حیوان ہے اُس پر ظلم کرنے سے وہ عورت جہنم میں ڈالی گئی تو جو لوگ انسانوں کو ستاتے ہیں یا قتل کرتے ہیں اُن کا کیا حال ہوگا ؟

یہ یاد رکھو کہ جو معمولی چیز کو معمولی گناہ سمجھ کے کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ معمولی گناہ سے کیا حرج ہوتا ہے تو اُس کو اُس گناہ کی عادت پڑ جائے گی اور پھر اسی معمولی گناہ کو ہمیشہ کرنے سے رفتہ رفتہ یہ حالت ہو جائے گی کہ پھر بڑے گناہ کو بھی معمولی ہی سمجھے گا اس لیے چھوٹے گناہوں سے بھی احتراز کرنا لازم ہے، اگر بڑے بڑے گناہوں کے کرنے کا خدشہ نہ بھی ہو تب بھی چھوٹے چھوٹے اور صغیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کوئی نیکی اللہ کو اتنی پسند آجائے کہ اس پر انسان کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں اور بظاہر وہ چھوٹی سی نیکی ہو، اسی طرح اس کے برعکس یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی عمل جو آپ کی نظر میں معمولی گناہ ہو خدا کے نزدیک بڑا ہو کیونکہ اعمال کا وزن خود عمل کرنے والا نہیں کرسکتا۔ آپ روزمرہ دیکھتے ہیں کہ بیٹا کہتا ہے کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی کہ والد صاحب خفا ہوں معمولی سی بات تھی، اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ بیٹے کی اپنی نظر میں وہ معمولی بات تھی مگر باپ کی نظر میں وہ ایسی تھی کہ اِس پر وہ خفا ہوگیا بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ باپ مارتا پیٹتا ہے حتی کہ گھر سے نکال دیتا ہے۔

ایک جلیل القدر صحابی جنابِ رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات نقل کر رہے تھے، بیٹے نے اس کی ناپسندیدگی ظاہر کی، صحابی نے قسم کھائی کہ میں تجھ سے کبھی نہ بولوں گا اور واقعی پھر کبھی نہ بولے ! !

۱؎ مشکوۃ شریف کتاب الرقاق رقم الحدیث ۵۳۵۶

دین کی تمام باتوں کا ایسا ہی عالی اور بلند مقام ہے اگر ان کے بارے میں حقارت یا استخفاف (ہلکا پن) ظاہر کرے تو بہت ہی گناہ کی بات ہے اور ڈر کا مقام ہے۔ اگر کسی مسلمان کے دل میں ایسی بات آئے تو اسے وسوسہ سمجھ کر دل میں جگہ نہ دے اور وسوسہ کا علاج یہی ہوتا ہے کہ وسوسہ کی طرف سے بے پروائی کر کے دوسری طرف لگ جائے وہ خود ہی جاتا رہتا ہے لہٰذا نہ کوئی مسلمان کسی گناہ کو خفیف جانے نہ کسی شرعی حکم کو سن کر اُسے کمتر سمجھے بلکہ اگر دل میں ایسا خیال آئے تو اُسے وسوسہ سے زیادہ درجہ نہ دے یہی سلامتی کا راستہ ہے۔

(بحوالہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۳ر فروری ۱۹۶۸ء)

وفیات

۲۶ر اکتوبر کو محترم شمس الحق صاحب کا کا خیل کی والدہ صاحبہ طویل علالت کے بعد سخا کوٹ میں وفات پا گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر آخرت کے بلند درجات عطا فرمائے اور اُن کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہِ حامدیہ میں مرحومہ کے لیے ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کرائی گئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔

علمی مضامین سلسلہ نمبر۱۵ قسط : ۲

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت

تعلیماتِ قرآنِ پاک کی روشنی میں

﴿ شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

اصلاحِ معاشرہ کے اصول :

سورۂ حجرات کی آیت ۱۳ وہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں مگر اس سے پہلے آیت ۱۱،۱۲ اور آیت ۱،۲،۶،۹ وغیرہ میں اُن اُمور کی تعلیم دی گئی ہے جو اصلاح درستی کے اصول ہونے چاہئیں جن پر معاشرہ اور سماج کی تربیت کی جائے ان اصول کی تفسیر ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے۔

الف : ایک دوسرے کا احترام سامنے بھی اور پیچھے بھی۔

ب : دلوں کی صفائی۔

ج : آگے بڑھنے اور ترقی کرنے یعنی جذبۂ تقدم و ترقی میں اعتدال۔

د : قوت مقاومت، یعنی غلط کاروں کے مقابلہ کا حوصلہ اور تادیبی کارروائیوں کو عمل میں لانا

(الف) ایک دوسرے کا احترام :

اس اصول کے لیے جامہ تیار کیجئے اور دیکھئے کہ آپ کے فرائض کیا ہوتے ہیں یعنی کن باتوں کا کرنا اور کن باتوں سے بچنا آپ پر لازم ہوجاتا ہے قرآنِ کریم ان ہی فرائض کو شمار کراتا ہے کسی کا مذاق نہ بناؤ، کسی پر طعن نہ کرو، توہین آمیز نام نہ رکھو، کسی کو حقارت سے مت دیکھو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ [1]

''اے ایمان والو ! ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے (مذاق نہ بنائے) عجب نہیں وہ اِن سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھٹھا کریں (مذاق نہ بنائیں) بعید نہیں وہ اِن سے بہتر ہوں ، اور نہ طعنے دو ایک دوسرے کو، نہ ایک دوسرے کے چڑ کے نام (برے لقب) ڈالو، یہ تمام باتیں فسق اور گناہ ہیں، صاحبِ ایمان کے لیے فسق کا نام آنا بھی بہت برا ہے اور جو باز نہ آئیں (توبہ نہ کریں) وہی ہیں ظالم۔''

مسلمان ہندوستان میں ہندوستانی کی حیثیت سے رونما ہوئے تو یہاں کے پرانے مزاج سے وہ بھی متاثر تھے ، مغلوں نے یا ان کے پیشرو پٹھانوں نے الفاظ کی حد تک ان کا احترام کیا جو یہاں نیچ مانے جاتے تھے یعنی بھنگی یا چوڑے کے بجائے ان کے لیے ''مہتر'' نام تجویز کیا جس کے معنی ہیں بہت بڑا لیکن جب عمل کا وقت آیا تو اسلامی تعلیم بھول گئے۔ قرآنِ حکیم نے آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو بلا لحاظ رنگ و نسل و بلا لحاظ ملک و وطن قابلِ تعظیم قرار دیا ہے ﴿ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ ﴾ [2]

فقہائے اسلام نے ہر ایک انسان کے جھوٹے کو پاک بتایا ہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم برہمن ہو یا شودر مگر ہم نے برہمن اور شودر میں فرق کر دیا۔

---

[1] سُورۃ الحجرات : ۱۱ [2] سُورۂ بنی اسرائیل : ۷۰

مغلِ اعظم (اکبر) نے جب ہندوستان کو قومیت متحدہ کا گہوارہ بنانا چاہا تو زندگی کی رفاقت اور حرم شاہی کی رونق کے لیے اس کی نظر ان ہی پر پڑی جو اپنا رشتہ سورج اور چاند سے جوڑے ہوئے تھے اور خود اپنی زبان سے اپنے آپ کو راجپوت (ابناء الملوک) کہتے تھے کیونکہ سیاست کا تقاضا یہی تھا، کاش قرآنی تعلیم کے بموجب انسانیت کے تقاضوں کو پورا کیا جاتا تو ایک تہائی کے قریب ہندوستانی مخلوق ذلت کی زندگی سے نجات پا جاتی اور اس ہندوستان میں اقلیت و اکثریت کے مفہوم ہی سے کوئی آشنا نہ ہوتا۔ بنگال میں علماء اور مشائخ رحمہم اللہ نے کسی حد تک اسلامی تعلیم کو جامۂ عمل پہنایا تو وہاں اقلیت اکثریت بن گئی، سندھ تک کچھ ایسے مسلمان آئے تھے جو اسلامی تعلیم کا نمونہ تھے ان کی ایک ہی جھلک نے پورے سندھ کی کایا پلٹ دی یہاں تک کہ اہلِ سندھ کا رسم الخط بدل گیا، سندھی بولنے والوں پر ہندی ٹھونسی جارہی ہے مگر ان کی مادری زبان سندھی اب تک عربی حروف اور عربی رسم الخط کی عادی ہے کیونکہ عرب جو تیرہ سو برس پہلے یہاں آئے تھے اُنہوں نے اخوت اور مساوات کی وہ حسین تصویر پیش کی تھی جس پر اہلِ سندھ نے اپنی تہذیب اپنا کلچر اور زیادہ تر نے اپنا مذہب بھی قربان کر دیا تھا۔

''عرب'' جن کو اپنی زبان اور اپنی تہذیب پر اتنا ناز تھا کہ تمام دنیا کو ''عجم'' کہا کرتے تھے یعنی جو لفظِ ''عجم'' مویشی اور جانوروں کے لیے استعمال کیا کرتے تھے وہی لفظ اپنے سوا دنیا کے تمام انسانوں کے لیے انہوں نے تجویز کر رکھا تھا، جب اسلام نے اخوت اور مساوات کا درس دیا تو ان کا آغوش اتنا وسیع ہو گیا کہ عجم کا جو شخص بھی ان کی طرف بڑھتا تھا وہ نہ صرف اس کو اپنے قبیلہ کا فرد بنا لیتے تھے بلکہ اگر اُس میں قابلیت کا جوہر ہوتا تو اُس کو اپنے سر کا تاج بنا لیتے تھے۔ آج جن کے علم و فضل سے پوری دنیائے اسلام متاثر ہے (امام ابوحنیفہؒ اور امام بخاریؒ) یہ دونوں عجمی ہی تھے امام ابوحنیفہؒ کے دادا زوطی نے جن کا اسلامی نام نعمان رکھا گیا مسلمان ہونے کے بعد عرب کے قبیلۂ تیم سے تعاونِ باہمی کا معاہدہ عقدِ موالات کر لیا تو تیمی ہو گئے۔

''بردزبہ'' علاقہ بخارا کے ایک مجوسی زمیندار تھے ان کے لڑکے مغیرہ حاکمِ بخارا ''یمان'' کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، یمان عرب تھے اپنے قبیلہ کی نسبت سے ''جعفی'' کہلاتے تھے، مغیرہ بھی جعفی

کہلانے لگے، ان کے پڑپوتے امام بخاریؒ ہیں (ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردِزبہ) یہ اسی بناپر جعفی کہلاتے ہیں۔ امامِ حدیث ابن ماجہ بھی اسی تعلق کی بناپر ''رِبعی'' کہلاتے ہیں۔

حضرت تمیم داریؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا ایک شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے تو اُس کا تعلق اس کے ساتھ کیا ہونا چاہیے ؟ آنحضور ﷺ نے جواب دیا : هُوَ اَوْلَی النَّاسِ بِمَحْیَاهُ وَمَمَاتِهِ [1] یعنی اس کے مرنے جینے کا ساتھی ہے اس مسلمان کرنے والے کا تعلق اس کے ساتھ سب سے زیادہ ہونا چاہیے۔

مسلمانوں نے اس ارشادِ گرامی پر اس طرح عمل کیا کہ ایسے نومسلموں کو اپنے قبیلے کا فرد بنالیا اور صرف امام ابوحنیفہؒ اور امام بخاریؒ ہی نہیں بلکہ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے بعد جن کو علم وفضل کے عرش معلیٰ پر جلوہ گر پایا گیا وہ سب عجمی تھے اور ان میں زیادہ وہ تھے جو خود غلام تھے جن کو صحابہ کرامؓ نے آزاد کر کے اپنی اولاد کی طرح تربیت دی تھی یا ایسے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد تھے ان کو ''موالی'' [2] جاتا تھا۔

اُموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک (متوفی ۱۲۵ھ/ ۷۴۳ء) نے ایک مرتبہ اپنی مملکت کے تمام علمی مرکزوں کا جائزہ لیا کہ کہاں عجمی علماء کے علم وفضل کا آفتاب چمک رہا ہے اور کہاں عربی علماء ضیاء پاش ہیں تو اس کے سامنے یہ تفصیل پیش کی گئی :

☆ مکہ معظّمہ کے جلیل القدر علماء وفقہا : (۱) عطاء بن ابی رباح (۲) مجاہد (۳) سعید بن جبیر (۴) سلیمان بن یسار

☆ مدینہ منورہ : (۱) زید بن اسلم (۲) محمد بن المنکدر (۳) نافع بن ابی نجیح

☆ قبا : (۱) ربیع الرائی (۲) ابن ابی الزناد

☆ عراق : (۱) حسن بن ابی الحسن (۲) محمد بن سیرین

☆ یمن : (۱) طاؤس بن کیسان (۲) ابن طاؤس (۳) ابن منبّہ

---

[1] ابوداود کتاب الفرائض [2] ''مولیٰ'' کی جمع

☆ خراسان : (۱) عطاء بن عبداللہ الخراسانی

☆ شام : (۱) مکحول

☆ کوفہ : (۱) الحکم بن عتیبہ (۲) حماد بن ابی سلیمان (۳) ابراہیم نخعی
(۴) شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ ؎١

ان آٹھ مرکزوں کے جلیل القدر فقہاء اور علماء جن کی عظمت کے سامنے سب کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں یہ بیس حضرات تھے، قابلِ تذکرہ بات یہ ہے کہ ان میں صرف آخری دو بزرگ ابراہیم نخعی اور شعبی (رحمہم اللہ) عرب تھے، باقی سب عجمی موالی یعنی آزاد کردہ غلام یا ایسے غلاموں کے اخلاف صالحین۔ (رحمہم اللہ ورضی عنہم)

(ب) دلوں کی صفائی :

دلوں کی صفائی یہ نہیں ہے کہ آپ پر تکلف دعوت کردیں، شاندار استقبال اور میل ملاپ کے کامیاب جلسے بھی دلوں کو صاف نہیں کرتے، خود ہندوستان کی تاریخ بہت سی مثالیں پیش کرسکتی ہے کہ پُرتکلف کھانے میں زہر ملا دیا گیا، جس کا استقبال کیا جارہا تھا جب اُس کا ہاتھی شہر پناہ کے پھاٹک میں داخل ہونے لگا تو چھجہ گرا کر معزز مہمانوں کو ہلاک کردیا گیا، ایک بادشاہ نے باپ کے استقبال کے لیے جو محل بنایا تھا جب باپ وہاں رونق افروز ہوا تو پورا محل قدم بوس ہوگیا نہ باپ رہا نہ باپ کی بادشاہت رہی، بغلگیر ہونے کے وقت خنجر پار کردینے کا قصہ کچھ عرصہ پہلے تک چھٹی یا ساتویں کلاس کے بچوں کو پڑھایا جایا کرتا تھا۔ غرض یہ باتیں دلوں کو صاف نہیں کرتیں نہ دلوں کی صفائی کی صحیح علامتیں ہیں تقریباً یہی حال ان کمیٹیوں اور سوسائٹیوں کا بھی ہے جو تعاون اور امدادِ باہمی کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہے کہ امدادِ باہمی کی کمیٹیاں جمہور کو بہت اُونچا اُٹھا سکتی ہیں، مسلمان قرآن شریف میں وہ آیت بھی پڑھتے ہیں جن سے اِن کمیٹیوں کی تائید ہوتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ

؎١ العقد الفرید لاحمد بن عبد ربہ

''اچھی بات، نیکی اور تقوی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور ظلم و سرکشی کے کام میں کسی کی مدد نہ کرو۔'' (سورۂ مائدہ : ۲)

مگر کیا ان کمیٹیوں سے خود مسلمانوں کے دلوں کی کدورت دُور ہو جاتی ہے کہ دوسری قوموں کے دلوں کی صفائی کا یقین کیا جا سکے اور کیا ان سے وہ یک جہتی اور جذبات کی ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے جو جمہوری نظام کو گلدستہ بنا سکے ؟ قرآنِ حکیم نے جب اخوت اور مساوات کی تعلیم دیتے ہوئے جمہوری نظام کی طرف اشارہ کیا تو ان چیزوں میں سے کسی ایک بات کی بھی ہدایت نہیں کی کیونکہ یہ تمام باتیں نمائش ہیں حقیقت نہیں ہیں البتہ قرآنِ حکیم نے ان امراض کو ختم کرنے کی ہدایت بلکہ بڑی شدت سے تاکید کی ہے جو دلوں کی کھوٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ دلوں کا کھوٹ نظر آنے کی چیز نہیں ہے بلکہ اکثریت ایسے انسانوں کی ہے جن کو خود اپنے دل کے کھوٹ کا پتہ بھی نہیں چلتا ہر ایک انسان اپنے دل کو پاک و صاف ہی سمجھتا ہے اور بڑے فخر سے دعوی کرتا ہے۔

آئینِ ماست سینہ چوں آئینہ داشتن کفرست در شریعتِ ما کینہ در سینہ داشتن [1]

جب اپنے دل کے کھوٹ کا پتہ نہیں تو دوسروں کے دلوں کا کھوٹ کیسے نظر آ سکتا ہے ؟ ؟ البتہ دو امراض جو دلوں کی کھوٹ سے پیدا ہوتے ہیں اور بعنوانِ دیگر دلوں کے کھوٹ سے جو عمل قدرتی طور پر وجود پذیر ہوتے ہیں وہ بے شک محسوس ہوتے ہیں، قرآنِ کریم نے ان ہی محسوسات کو لے کر اصلاح کی ہدایت فرمائی ہے اور مقصد یہ ہے کہ جب یہ محسوس امراض ختم کیے جائیں گے تو دل بھی صاف ہو جائیں گے اور اگر بالفرض دل صاف بھی نہ ہوں تو ان کے کھوٹ کا اثر متعدی نہیں ہوگا اور وہ سوسائٹی کو خراب نہیں کر سکے گا مثلاً دل کا کھوٹ یہ ہے کہ وہ تنگ ہو اس میں یہ وسعت اور گنجائش نہ ہو کہ دوسرے کی ترقی سے وہ خوش ہو یا دوسرے کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے چاہتا ہے اور جو اپنے لیے نہیں چاہتا وہ دوسرے کے لیے بھی نہ چاہے، اگر حقوق کا معاملہ ہے تو دوسروں کو بھی اُتنا ہی مستحق سمجھنا چاہیے جتنا خود کو سمجھتا ہے، اگر یہ احساس دوسرے کے لیے نہیں ہوتا تو وہ دل کی تنگی ہے

[1] سینہ کو شیشہ کی طرح صاف رکھنا ہمارا دستور ہے، ہماری شریعت میں دل کے اندر کینہ رکھنا کفر ہے۔

اس تنگدلی کو پست حوصلگی، تنگ نظری، کوتاہ ظرفی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے اس کا پہلا عمل یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کی ترقی برداشت نہیں ہوتی بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ مساوات بھی برداشت نہیں کی جاتی، وہ خود اگرچہ خوشحال ہے مگر دوسرے کی خوشحالی سے اسے جلن ہوتی ہے یعنی وہ یہ نہیں دیکھ سکتا کہ جس درجہ کی دکان اس کی چل رہی ہے اُس درجہ کی دکان دوسرے کی بھی چلے اس کو عربی میں ''حسد'' کہتے ہیں۔

تنگدلی اور کوتاہ ظرفی کا پہلا اثر ''حسد'' ہے جو بلا وجہ دوسرے سے کدورت پیدا کر دیتا ہے، دل کا یہ تکدر خیالات کو بھی خراب کر دیتا ہے اور دوسرے کے متعلق اچھے گمان کے بجائے بدگمانی رکھنے لگتا ہے ملک یا ملت کی خدمت دوسرے نے اس سے بہتر کی ہے مگر چونکہ اس کے دل میں کھوٹ ہے وہ اس کی قربانی اور قابلِ قدر خدمات کو کسی غرض پر محمول کرتا ہے، یہ بدگمانی اس کو قریب کرنے کی بجائے زیادہ بعید کر دیتی ہے، وہ پسند نہیں کرتا کہ اس وفادار خادمِ ملک و ملت کی تعریف کی جائے، اگر اس کو اس وفادار کی کسی کمزوری کا علم ہوتا ہے تو وہ اس کو پھیلاتا ہے، چونکہ خود اس کے دل میں کھوٹ ہے تو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اس کمزوری کی شکایت برملا خود اُس سے کرے بلکہ اُس کی پیٹھ پیچھے دوسروں سے اس کی کمزوری بیان کرتا ہے اور اس طرح ان کی نظروں سے اس کو گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر کسی کمزوری کا اس کو علم نہیں ہوتا تو وہ اس کی ٹوہ اور جستجو رکھتا ہے کہ کوئی کمزوری اس کو معلوم ہو جائے، اس میں وہ عمومًا کامیاب ہو جاتا ہے کیونکہ سماج اور معاشرہ کا بڑے سے بڑا انسان بھی کمزوری سے خالی نہیں ہوتا وہ اس بڑے انسان کی کمزوری کو اُچھالتا ہے مگر اس طرح وہ صرف اس انسان پر نہیں بلکہ پورے سماج پر ظلم کرتا ہے کہ اس کو قائد کی قیادت سے محروم کر دیتا ہے کیونکہ سوسائٹی جس کو اپنا رہنما مانتی تھی جب اس کی کمزوری اس کے سامنے آئے گی تو لامحالہ اس کی عظمت جماعت اور سوسائٹی کی نظر میں کم ہو جائے گی اور اس رہنما کی بات میں وزن نہیں رہے گا تو اس کی رہنمائی اور قیادت میں زوال آجائے گا لیکن یہ زوال صرف اس کے حق میں نہیں ہوگا بلکہ یہ پوری سوسائٹی زوال پذیر ہو جائے گی کیونکہ وہ قائد سے محروم ہو جائے گی اور اس طرح بجائے منظم و متحد ہونے کے وہ منتشر ہو جائے گی، پس ایک دل کی بیماری سے سارے دل بیمار ہو جائیں گے۔

خیالات کی یہ خرابی (جس کا سلسلہ سوسائٹی یا قوم کے انتشار تک پہنچتا ہے) جس طرح تنگدلی اور حسد کے سبب ہوتی ہے کبھی ''غصہ'' کی وجہ سے بھی ہوتی ہے مثلاً ایک انسان تنگ دل اور پست حوصلہ نہیں ہے اُس کا ظرف وسیع ہے لیکن وہ کسی وجہ سے کسی شخص سے ناراض ہے تو وہ اس کے متعلق اچھے خیالات نہیں رکھتا اور بسا اوقات غصہ کے سبب سے اچھے خیالات بھی بدگمانی سے بدل جاتے ہیں وہ اس کی برائیاں تلاش کرتا ہے اور ان کو پھیلاتا ہے، اگر وہ خود نہیں پھیلاتا تو وہ ہر ایسے سلسلہ سے خوش ہوتا ہے جس سے اس کی برائیوں اور خرابیوں کی اشاعت ہو، مجلس میں وہ خود غیبت نہیں کرتا لیکن اگر کوئی غیبت کرے تو وہ بڑی دلچسپی سے سنتا ہے اس سے اس کے دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص وسیع الظرف ہے مگر اُس کے مزاج میں ''بڑائی'' ہے، وہ تنگدل نہیں ہے مگر خود بین اور متکبر ہے، وہ اپنے سے بڑا کسی کو نہیں سمجھتا اس لیے کسی بڑے کی بڑائی نظر میں نہیں لاتا اور اگر جماعت یا معاشرہ کسی کو بڑا مانتا ہے تو اس کی بڑائی کو ختم کرنے کے لیے اس کی کمزوری تلاش کرتا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات بدگمانی کرنے والے کو پتہ نہیں چلتا کہ اُس کا یہ گمان غلط ہے کیونکہ اس کے دل کا شیطان یعنی حسد یا غصہ یا تکبر غلطی کا احساس ہی نہیں ہونے دیتا، یہ حسد اس غلط بات کو قابلِ قبول شکل میں پیش کرتا ہے اور یہ حسد رکھنے والا اس کو مان لیتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک نہایت لطیف علاج بیان فرمایا ہے امام موصوفؒ فرماتے ہیں قرآنِ حکیم کی ہدایت ہے کہ

''جب کوئی فاسق خبر لائے تو پوری طرح اس کی چھان بین کرلو، ایسا نہ ہو کہ بلا تحقیق کوئی ایسا قدم اُٹھالو کہ بعد میں پچھتانا اور نادم ہونا پڑے۔'' (سورۂ حجرات : ۶)

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دل کا شیطان جو خیال پیدا کر رہا ہے یہ بھی فاسق ہے اس نے جو خبر دی ہے یعنی جو خیال دل میں ڈالا ہے اس کی تحقیق کرو اور جب تک تحقیق و تصدیق نہ ہو جائے کوئی بات زبان سے نہ نکالو، نہ دل ہی میں کوئی بات جماؤ، خیالات کا یہ سلسلہ جس کی تفصیل بیان کی گئی ہے

کسی مشاہدہ کی بنا پر نہیں ہے بلکہ دل کی کھوٹ کی بنا پر ہے لہٰذا یہ تمام سلسلہ کھوٹا رہے گا جس کو شریعت کی زبان میں ''اِثم اور گناہ'' کہا جاتا ہے لیکن یہ سلسلہ اگر کسی مشاہدہ کی بناء پر ہو تو اس کو گناہ نہیں کہا جاتا بلکہ اس وقت بدگمانی نہ کرنا کوتاہی اور ناعاقبت اندیشی ہوگا مثلاً ایک شخص احکامِ شریعت کا پابند نہیں ہے وہ ریش تراشیدہ ہے [1] اس کی وضع قطع احکام شریعت کے خلاف ہے اس کے متعلق اگر آپ یہ گمان کرلیں کہ جو شخص وضع قطع میں احکامِ شریعت کا پابند نہیں ہے اور شریعت کی ہدایت کو پامال کر رہا ہے وہ شہادت کے سلسلہ میں بھی پابندِ شریعت نہیں ہوگا اور اس بنا پر آپ اس کی شہادت تسلیم نہ کریں تو آپ حق بجانب ہوں گے اور آپ کی یہ قیاس آرائی صحیح ہوگی۔

قرآنِ حکیم نے انسانی برادری کی تعلیم دی تو دلوں کی صفائی کو ضروری قرار دیا مگر اس کے لیے یہ عنوان اختیار نہیں کیا کہ دلوں کو صاف کرو، جذبات کو ہم آہنگ کرو، نظریات کو متحد کرو بلکہ اُن امراض کو زائل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے جو دل کے کھوٹ سے پیدا ہوتے ہیں اور اندر کے چور کا پتہ دیتے ہیں ارشاد ہے :

''بہت زیادہ قیاس آرائی اور گمان قائم کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ بعض (مرتبہ) قیاس آرئی اور گمان کی پرورش گناہ ہوتی ہے (جس کا محرک دل کا کھوٹ اور اندر کا غبار ہو) اور بھید نہ ٹٹولو اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تمہیں اس سے گھن آتا ہے۔''

یہ سورۂ حجرات کی آیت نمبر ۱۲ کا مضمون ہے۔

اس کے بعد نمبر ۱۳ میں مساوات اخوت انسانی کی تعلیم دی گئی ہے کہ

'' اے آدمیو ! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے ''

حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ہم نے بنایا تم کو ایک نر اور مادہ سے، پوری آیت کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے، مختصر یہ کہ دلوں کی صفائی کی عملی صورت یہ ہے کہ

---

[1] ڈاڑھی منڈا ہے۔

(۱) ایک دوسرے کا احترام کیا جائے (سامنے بھی اور پیٹھ پیچھے بھی) یعنی کسی برادری یا خاندان کا مذاق نہ اُڑایا جائے۔

(۲) ایسا نام نہ ڈالا جائے جس سے اُس کے جذبات کو ٹھیس لگے اور وہ اس میں اپنی توہین محسوس کرے۔

(۳) کسی معقول ثبوت کے بغیر کسی کے متعلق بدگمانی نہ کی جائے، گندے خیالات نہ دوڑائے جائیں، کسی کی کمزوری کی ٹوہ نہ رکھی جائے جو کچھ کہنا ہو منہ پر کہا جائے پیٹھ پیچھے برائی نہ کی جائے۔

اگر یہ باتیں ہمارے مجلسی آداب میں سمو جائیں تو ہمارا معاشرہ اور سماج ٹھیک ہو جائے گا اور جب قوم کے معاشرے درست ہوں گے تو صالح جمہوریت جلوہ فرما ہوگی۔

(ج) جذبۂ تقدم و ترقی میں اعتدال :

عجیب بات یہ ہے کہ جس سورت کی تیرہویں آیت میں انسانی برادری اور مساوات کی تعلیم دے کر صالح جمہوریت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اُس کی سب سے پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے :

''اے ایمان والو ! آگے نہ بڑھو اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور ڈرتے رہو اللہ سے''

یعنی تقدم اور ترقی تو ایک فطری جذبہ ہے، بچہ گہوارے کی زندگی میں بھی چاہتا ہے کہ ساری دنیا اس کی تابع فرمان رہے، کوئی بات اپنی مرضی کے خلاف دیکھتا ہے تو چیختا ہے اور چلانا شروع کر دیتا ہے کچھ ہوش آتا ہے تو فطری شوق کی چیز یعنی کھیل کود میں سب سے آگے رہنے کی کوشش کرتا ہے اس کے لیے سب سے زیادہ دلچسپ لفظ ''میری، میرا'' ہوتا ہے جبکہ پھسڈی (پیچھے رہنے والا) کے لفظ سے اُس کو نفرت ہوتی ہے۔

قرآنِ حکیم نے اس فطری جذبہ کی تعلیم ضروری نہیں سمجھی کیونکہ دوڑنے والے سے یہ کہنا بیکار ہے کہ ''دوڑو'' البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت سے چلو، سیدھے چلو، سنبھل کر چلو، لہٰذا قرآنِ حکیم ترقی پذیر اور جذبہ تقدم سے سرشار ''جمہوریہ'' کو یہ ہدایت کر رہا ہے کہ جذبۂ ترقی میں اعتدال رکھو۔

اعتدال یہ ہے کہ قانون کی حدود سے آگے نہ بڑھو، انسانوں کی ترقی کے ساتھ انسانیت کی بھی

ترقی ہونی چاہیے ورنہ انسان انسان نہ رہیں گے جنگل کے وحشی بن جائیں گے، انسانیت یہ ہے کہ ہر بات میں سنجیدگی ہو، ادب ہو، واجب الاحترام کا احترام ہو، خدا کا خوف دل میں ہو۔

نوجوانوں میں جذبۂ ترقی بہت مبارک ہے ترقی کا جذبہ نہ ہو تو دنیا کی رونق ختم ہو جائے، لیکن اگر ترقی کا مقصد تعمیر ہے تو اعتدال اور سنجیدگی ضروری ہے، اگر نوجوانوں کا جذبۂ ترقی نظم وضبط ادب اور اخلاق کا متحمل نہیں ہے تو وہ تعمیر کی بنیاد نہیں رکھ رہے بلکہ بربادی، تباہی، پستی اور ذلت وخواری کی رسیاں پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور مستقبل کو تاریک کر رہے ہیں۔

(د) افواہ کی تحقیق، قوتِ مقاومت اور حوصلۂ تادیب :

صالح جمہوریت وہی ہے جس کی پیشانی انسانیت اور شرافت کے جھومر سے آراستہ ہو، جمہوریہ کی تشکیل اور تعمیر جمہور سے ہوتی ہے جمہور ہی اس کا آب وگل ہیں اور جمہور ہی اس کا قوام ہوتے ہیں تو اس کی اصلاح وترقی کسی ایک فرد یا چند افراد کی جدوجہد سے نہیں ہو سکتی، پورے جمہور ورنہ جمہور کی غالب اکثریت میں قوتِ عمل ضروری ہے۔

اگر آپ ملک وملت کے خیر خواہ ہیں آپ انسانیت اور شرافت کے آرزومند ہیں آپ اگر امن اور اطمینان کی فضا دیکھنا چاہتے ہیں تو خود آپ میں بھی عمل کی قوت اور قربانی کا جذبہ ضروری ہے۔ بلاشبہ قوم کے تمام افراد یکساں نہیں ہو سکتے بہت سے وہ بھی ہوتے ہیں جو انسانیت شرافت اخلاق اور دیانت کے الفاظ کو بے معنی سمجھتے ہیں وہ اپنی اغراض اور اپنے مفادات ہی کو سب سے بڑی شرافت اور اعلیٰ ترین دیانت سمجھتے ہیں ایسے ہی افراد اگر اجتماعی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو ایک باغی جماعت اپنا پرچم لہرانے لگتی ہے، اُس وقت آپ کی خاموشی حرام ہے امن پسندی کے بہانے آپ کا بے حس وحرکت رہنا امن پسندی نہیں ہے بلکہ بزدلی ہے، آپ کا فرض ہے کہ آپ کمر باندھ کر اُٹھیں اور اس باغی اور غلط کار جماعت کے ہاتھ سے جھنڈا چھین لیں۔ اگر یہ باغی جماعت اصلاح نہیں قبول کرتی تو آپ تادیبی کارروائی کریں ضرورت پیش آئے تو آپ قوت سے کام لیں جس طرح سے وہ غلط کار اکٹھے اور

منظّم ہوگئے ہیں آپ کی صداقت اور استقامت یہ ہے کہ جن کو آپ صحیح سمجھتے ہیں اُن کی مدد کریں اور اگر اس امداد میں کسی قربانی کی ضرورت ہو تو اُس سے بھی دریغ نہ کریں البتہ یہ ضروری ہے کہ آپ کا جو بھی اقدام ہو وہ حقیقت کی بنیاد پر ہو، افواہیں چنگاریوں کا کام کرتی ہیں، ''صالح جماعت'' کا کام ہے کہ وہ افواہ کو مشعلِ راہ نہ بنائے، افواہ کے علاوہ کسی شخص کی بات بھی اُس وقت تک قابلِ وثوق نہ سمجھنی چاہیے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ خود وہ شخص قابلِ وثوق ہے جو خبر دے رہا ہے۔

قرآنِ پاک کی اس سورۃ میں جس میں صالح جمہوریت کے خدوخال کی طرف اشارے کیے گئے ہیں مقاومت اور مقابلہ اور تادیب کی بھی تعلیم دی گئی ہے سب سے پہلے ہدایت یہ ہے :

> ''ایسا شخص جو قابلِ اعتماد نہیں ہے اگر کوئی خبر لے کر آئے تو پوری طرح چھان بین کرلو ایسا نہ ہو تم بلا تحقیق و تفتیش کوئی قدم اُٹھا لو جو سراسر جہالت ہو پھر نتیجہ یہ ہو کہ تم کو نادم ہونا اور پچھتانا پڑے۔'' (آیت ٦)

اس کے بعد دوسری ہدایت یہ ہے :

> ''اگر وہ جماعت (جو ایک ہی دستور کو تسلیم کرنے والے اور ایک ہی قانون کو ماننے والے) مومنین کی جماعت ہے اور وہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کرادو۔ (حضرت شاہ عبد القادرؒ کے الفاظ میں ''ملاپ'' کرادو) اگر (اس جدوجہد میں کامیابی نہ ہو) ایک گروہ (پارٹی) دوسرے پر زیادتی کرے تو سب مل کر اس گروہ سے جنگ کرو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ یہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان ملاپ کرادو عدل کے ساتھ اور انصاف سے کام لو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' (آیت ۹)

(جاری ہے)

سلسلہ تقاریر نمبر۹ قسط : ۲، آخری

''خانقاہِ حامدیہ'' کی جانب سے اَنوار مدینہ میں شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی تقاریر شائع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے حضرتؒ کے متوسلین و خدام سے اِلتماس ہے کہ اگر اُن کے پاس حضرتؒ کی تقاریر ہوں تو اِدارہ کو اِرسال فرما کر عند الناس مشکور اور عند اللہ ماجور ہوں۔ (اِدارہ)

سیرتِ پاک کا اِزدواجی پہلو اور مسئلہ کثرتِ اِزدواج

﴿ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنیؒ ﴾

تعددِ ازواج کا دور اور خطراتِ شہوت پرستی کا قلع قمع :

مذکورہ بالا امر یعنی پچیس سالگی کے ساتھ جبکہ اُمورِ ذیل کو بھی زیرِ نظر رکھا جائے تو خطرہ شہوت پرستی کا بالکل ہی قلع قمع ہو جاتا ہے بلکہ محال کے درجہ میں معلوم ہونے لگتا ہے۔

(۱) جنابِ رسول اللہ ﷺ ان ایام میں (یعنی جن ایام سے تعددِ ازواج کا سلسلہ شروع ہوتا ہے) دشمنوں کے حملوں اور جنگجوئی کارروائیوں کے ساتھ گھرے ہوئے تھے اس تھوڑی سی مدت میں جس کا اندازہ تقریبًا نو برس ہے آپ کو تقریبًا ساٹھ یا اس سے زائد لڑائیاں دشمنوں سے لڑنی پڑیں جن میں سے تقریبًا اٹھائیس میں آپ خود بھی شریک رہے ہیں، تواریخ کے صفحات اور سیر کے اوراق بتلا رہے ہیں کہ یہ سب لڑائیاں مدافعانہ تھیں اور دشمنوں ہی کی طرف سے ابتدائی کارروائیاں آپ کو فوج کشی پر مجبور کر رہی تھیں، دشمنوں کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ دنیا سے اسلام اور اسلام کے نام لیواؤں کو معدوم کر دیا جائے، خود مدینہ منورہ میں ایک بہت بڑی جماعت مخالفین کی موجود تھی جن کو منافقین کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے یہ لوگ غزوۂ بدر تک علانیہ طور پر دشمنی کرتے رہے اور بعد غزوۂ بدر جبکہ اسلامی شوکت اور قوت کی روز افزوں حالت ظاہر ہونے لگی تو بظاہر مسلمان ہو گئے مگر اندرونی طریقہ پر ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کرتے رہے، مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں یہودیوں کے مختلف قبائل نہایت سخت دشمنی کرتے رہے، بیرونِ مدینہ منورہ قریش بالخصوص اور تمام قبائل عرب ہر قسم

کی کوششیں اسلام کے روشن چراغ کے بجھانے میں صرف کرتے رہے، مدینہ منورہ پر بارہا دھاوا کیا جبکہ دشمنوں کے دھاوا کرنے اور سامانِ جنگ کے جمع کرنے کی خبریں آئیں تو بارہا خود آنحضرت علیہ السلام نے ان پر فوج کشی کی، بارہا قوموں اور قبائل نے مسلمانوں کو نقصانات جانی اور مالی پہنچائے، تبلیغ کے راستہ میں سختی کے ساتھ مانع ہوئے جن کی تفصیلیں جنابِ رسول اللہ ﷺ کے مغازی اور سرایا میں مذکور ہیں، پھر یہ بھی نہیں تھا کہ فوجیں پہلے سے جمع تھیں خزانے بھرے ہوئے تھے ہتھیاروں کا ذخیرہ موجود تھا رسد کا سامان مہیا تھا بلکہ ان سب چیزوں کو ہمیشہ تیار کرنا پڑتا تھا غرضیکہ کوئی وقت چین کا ظاہری قاعدہ سے نہیں مل سکتا تھا۔

(۲) جنابِ رسول اللہ ﷺ پر سخاوت اس قدر غالب تھی کہ کبھی کسی سوال کرنے والے کو واپس نہیں کیا جو کچھ آتا تھا تقسیم فرما دیتے تھے، گھر بار مال و متاع کے چھوڑ دینے اور ہجرت کرنے کی وجہ سے عام طور پر مہاجر مسلمان نہایت تنگی اور فقر میں مبتلا تھے روزانہ جنگ و جدال اور اس کی تیاریوں کی بنا پر خود انصار اہلِ مدینہ اپنے باغوں اور کھیتوں کی کما حقہ خبر گیری نہیں کر سکتے تھے اور نہ اسبابِ معیشت مہیا کرنے کی مہلت ملتی تھی ہر قبیلہ اور ہر آبادی کے مخالفینِ اسلام مسلمان ہونے والے افراد کے مال و جائیداد پر قبضہ کر لیتے تھے اور ہر قسم کی عداوت کی داد دیتے تھے، ان وجوہ کی بنا پر آنحضرت علیہ السلام لوگوں کی خبر گیری اور ان پر مال لٹا دینا ضروری سمجھتے تھے اور جو کچھ کہیں سے بھی آتا تھا اربابِ حاجت کو فوراً ادے دیتے تھے، اسی وجہ سے آپ پر تنگدستی اور ظاہری فقر و فاقہ کی اس قدر شدت تھی کہ تمام ایامِ زندگانی میں جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اکثر فاقوں پر گزران ہوتی تھی، دو سالن کبھی آپ کے دستر خوان پر جمع نہیں ہوئے، گیہوں کی روٹی شاذ و نادر آپ کے دستر خوان پر آیا کرتی تھی تین تین چاند گزر جاتے تھے کہ آپ کے یہاں کھانا پکانے کے لیے نہ آگ جلتی تھی اور نہ دھواں اُٹھتا تھا فقط پانی اور چند دانے کھجوروں پر کفایت کی جاتی تھی فاقہ کی تکلیفوں کی بنا پر بسا اوقات آپ کو ایک ایک دو دو پتھر پیٹ پر باندھنے کی نوبت آئی، مقوی داوؤں اور اعلیٰ درجہ کی غذاوں کا ملنا تو درکنار (جن کی شہوت پرستوں کو ضرورت ہوتی ہے) معمولی درجہ کی غذا بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی تھی اور نہ ہمیشہ آدھے پیٹ ہی ملتی تھی

(۳) جنابِ رسول اللہ ﷺ کو بارگاہِ الوہیت سے اس قدر تعلق اور محبت اور اتنا خوف اور ڈر غالب تھا کہ کوئی وقت خدا کے ذکر سے خالی نہ گزرتا تھا، ہر روز کم سے کم پچاس رکعت نماز اور ہر سال میں کم سے کم چھ مہینے روزہ ہمیشہ آپ کا معمول رہا اور بسا اوقات آپ فکرِ آخرت، رعبِ خداوندی، فکرِ اُمت وغیرہ کی وجہ سے غمگین اور متفکر رہا کرتے تھے آسمان کی طرف بہت کم دیکھتے تھے اکثر نظر آپ کی زمین کی طرف رہتی تھی ہنستے بہت کم تھے اکثر ہنسی آپ کی تبسم کی صورت میں ہوتی تھی۔

(۴) جنابِ رسول اللہ ﷺ کو اپنے لوگوں کی تعلیم و تربیت ان کی روحانی اور اخلاقی، مالی اور جسمانی اصلاح کا ہمیشہ خیال رہتا تھا اور اسی وجہ سے بہت تھوڑی سی مدت میں ہر قسم کے کمال والے اشخاص موجود ہو گئے۔

کوئی فنونِ جنگ میں حسب قابلیت اعلیٰ درجہ کا قابل ہو گیا جیسے خالد بن ولید، ابو عبیدۃ بن الجراح، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن سمرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

کوئی فنونِ سیاست کا اُستاد اور ماہر ہو گیا جیسے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت معاذ بن جبل وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

کوئی روحانی فنون اور ولایت کے معارف میں اعلیٰ پیمانہ پر پہنچ گیا جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت سلمانِ فارسی، حضرت عبداللہ بن عمرو وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

کوئی قوانین اور لاء کا حافظ اور ماہر بن گیا جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس، عائشہ صدیقہ، ابو ہریرہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم۔

اسی طرح فنونِ فصلِ خصومات [۱] زہد و ریاضت، تجارت و صنعت، مساحت اراضی [۲] و تواریخ وغیرہ وغیرہ میں یہی عرب کے غیر متمدن اور غیر تعلیم یافتہ کوہستانی اور ریگستانی وحشی لوگ جملہ فنون و علوم میں نہ صرف ماہر اور کامل ہوئے بلکہ اپنے اخلاف اور پس آئندوں [۳] کے لیے اور اقوامِ موجودہ اور دیارِ عجم کے واسطے اساتذہ اور آفتابِ ہدایت بن گئے اور عرب قوم نہایت تھوڑی سی مدت میں

---

[۱] لڑائی جھگڑوں کے تصفیے [۲] LAND SURVEY [۳] بعد میں آنے والے

اس لائق ہوگئی کہ وہ تمام دنیا کی باگ ِحکومت اپنے ہاتھ میں لے کر جہانبانی اور انتظام کرسکے، سچے اور مفید اخلاق سے سب کے سب رنگین ہوگئے اور بری عادتیں اور غیر مہذب خصلتیں سب کی سب کافور ہوگئیں، نفاق وشقاق کا تمام ملک عرب میں نام تک باقی نہ رہا وہ اتفاق اور وفاق رُونما ہوا کہ جس کی نظیر ازمنہ سابقہ میں کہیں بھی تاریخ نہیں دکھلاسکتی، خداترسی اور اخلاص وللّٰہیت کا وہ دور دورہ ہوا کہ عہد موسوی اور عہد عیسوی بلکہ جملہ مقدسین دنیا کی تاریخ ماند پڑگئی، معرفت وحقائق کے چشمے اس قدر اُبلے کہ فلسفۂ اقوام کے کتب خانے اور متقدمین کی حکمتیں غرقاب ہوگئیں۔

اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ اُمور مذکورہ بالا میں سے ہر ایک امر مستقل طور پر انسان کو اس قدر پریشان کرنے والا اور اتنی مشغولیت کا سامان ہے کہ فقط وہی شہوات ِانسانیہ کو بالکل زائل اور فنا کردینے کے لیے کافی ووافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جولوگ ایسی ایسی افکار ومصائب میں واقعی طریقہ پر منہمک اور مبتلا ہوجاتے ہیں وہ ایسی ایسی شہوتوں سے تقریبًا یک قلم علیحدہ ہوجاتے ہیں پھر کیا تعجب کی بات نہیں کہ وہ ہستی جوکہ ان تمام امور کی جامع تھی اور نہ صرف اس قدر جتنی کہ ذکر کی گئی بلکہ اس کی لائف پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس کی احوال کا عشر عشیر بھی نہیں بتلاتا ہے، اس کی نسبت شہوت پرستی کا الزام کیوں کر لگایا جاسکتا ہے اور کیا اس عمر میں معمولی لوگوں میں اور ان اُمور کی موجودگی میں شہوت باقی رہ سکتی ہے۔ افسوس کہ ان تاریخی واقعات پر صداقت اور حقانیت کی تلاش کو کام میں نہیں لایا جاتا اور نہ انصاف اور حق پرستی کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حالت یہی ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا تو پھر کیوں ان حالتوں کے موجود ہوتے ہوئے تعددِ ازواج کو اختیار کیا گیا ؟ مگر اس کا جواب ہم تفصیلی طریقہ پر اِس مقام میں اس لیے نہیں دے سکتے کہ طول بہت ہوگیا ہے اہلِ عقل و انصاف نے بہت سی باتیں ذکر فرمائی ہیں اُن میں سے زیادہ تر اہم بات ہم مختصرًا عرض کرتے ہیں۔

پیغمبر کے اہم مقاصد میں سے تمام عالمِ انسانی کو تبلیغ کرنا اور ان کی قولی اور عملی ہدایتوں سے اصلاح کرنا ہے اس لیے اس کو بہت سے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے کہ وہ ہر قسم کے فیض کو پیغمبر سے

حاصل کریں اور دوسرے لوگوں اور آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ ہدایت بن جائیں خصوصًا جبکہ وہ تمام دنیا کی ہدایت اور اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہو بالخصوص جبکہ وہ خاتم الانبیاء ہو تکمیلِ دین اس کی بعثت کا مقصود ہو اور دینی تعلیم کے تمام آسمانی سلسلے مکمل ہو کر ختم ہو رہے ہوں۔

مثل انبیاء، بنی اسرائیل اور اُمم سابقہ فقط ایک قوم یا ایک شہر اُس کا نقطۂ نظر اور مرکز اصلاح و ہدایت نہ ہو اور چونکہ اس کو عورتوں کی بھی اصلاح کرنی ہے اور بہت سے ان قوانین کو بھی پھیلانا ہے جن کا تعلق عورتوں اور مردوں کے باہمی علائق سے ہے اس لیے اس کو بہت سے شاگرد اس صنف کے بھی درکار ہیں تاکہ وہ جملہ اُن امور کو جن کا تعلق فقط عورتوں سے یا عورتوں اور مردوں کے آپس کے علائق سے ہے سیکھیں اور تمام عالم کے لیے مشعلِ ہدایت بنیں۔

لہٰذا اس مقام پر فقط نو عورتوں پر اکتفا کرنا یہ بھی اقلِ قلیل ہوگا ظاہر ہے کہ عورتوں کی جملہ ضروریات اور اصلاحات کی تعلیم بغیر علاقہ زن وشوئی [1] نہایت مشکل ہے کیونکہ شرم اور اجنبیت بہت سی چیزوں کی تعلیم و تعلّم سے مانع ہوگی۔ اس مقام پر ضروری تھا کہ بہت زیادہ وسعت کو اختیار کیا جاتا مگر آنحضرت علیہ السلام نے اس کو اختیار نہ فرمایا اور بہت تھوڑی مقدار پر کفایت کی اور یہی وجہ ہے کہ اُس زمانہ میں جبکہ احکامِ عملیہ کے انتشار کا وقت آیا ہے تعددِ ازواج کو اختیار فرمایا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بعد از نبوت مکہ معظّمہ کی زندگانی میں اور مدینہ منورہ کی ابتدائی زندگی میں محض اصلاحِ عقائد و اخلاق کو مدنظر رکھا گیا تھا اور سن دوم ہجری سے اصلاحِ اعمال اور اقوال کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی اور اس قسم کے قوانین موسلا دھار بارش کی طرح اُتارے جانے لگے لہٰذا ضروری ہوا کہ اس وقت میں عورتوں کی اچھی خاصی مقدار سیکھنے والوں کی موجود ہو۔

﴿ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴾ [2]

''اور تم خدا کی ان آیتوں اور اس علم کو یاد رکھو جس کا تمہارے گھروں میں چرچا رہتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ راز داں پورا خبردار ہے۔''

---

[1] میاں بیوی کا رشتہ [2] سُورۃ الاحزاب : ۳۴

یہ خاص تاکیدی حکم ازواجِ مطہراتؓ کے لیے اسی بنا پر ہے ازواجِ مطہراتؓ کے علاوہ اُس کے اور بھی بہت سے احکام قرآن میں ذکر کیے گئے ہیں جن سے عام صنف مستورات کے لیے پوری روشنی پڑتی ہے اور غالبًا یہی وجہ ہے کہ بجز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جس قدر بھی آپ کی ازواج ہیں وہ سب تجربہ کار زیادہ عمر والی ہوکر پہلے ازواج سے بیوگی کی حالت میں نکاح میں آئی ہیں کیونکہ نوعمر دوشیزہ لڑکیوں پر طبعی طور پر لہو ولعب غالب ہوتا ہے احکام اور علوم کے سیکھنے کے واقعات وغیرہ کے یاد رکھنے کی طرف توجہ کم ہوتی ہے، نوعمر لڑکیوں سے شہوت رانی کے مقاصد میں تو بے شک زیادہ تر کامیابی ہوتی ہے مگر جو مقصد پیغمبر کا اصلاحِ اُمت اور حفظِ علوم تعلیم و تعلّم وغیرہ کے لیے ہوتا ہے وہ ان میں طبعی طور پر عمومًا کم ہوتا ہے اور غالبًا یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کو تعلق بہت زیادہ تھا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اُستادِ فن اور ماہر معلم کو اپنے شاگردوں میں سے اُس شخص سے زیادہ تعلق ہوتا ہے جس کو وہ نہایت ذکی سمجھدار قوی الحافظ فصیح و بلیغ دیکھتا ہے کیونکہ ایسے شاگرد میں نہ صرف اس کی تعلیم کا اثر مکمل طریقہ پر ظاہر ہوتا ہے بلکہ اس سے اُمید کی جاتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی فیضیاب بنالے گا چونکہ حضرت عائشہؓ انتہائی درجہ کی ذکی اور سمجھدار تھیں طبیعت نہایت تیز اور حافظہ نہایت قوی رکھتی تھیں، فصاحت و بلاغت میں بھی آپ اپنی نظیر تھیں اس لیے تمام ازواج میں ان کا نمبر اعلیٰ رہا۔

ازواجِ مطہراتؓ کے ذریعہ تعلیماتِ اسلام کی نشر واشاعت :

اس طرزِ تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ صنفِ نسواں میں ان ازواج کے ذریعہ سے نہایت مکمل طریقہ پر تعلیم اسلام مروج ہوگئی، احادیثِ نبوی اور اخبار مصطفوی کے اوراق گردانی کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ بے شمار علوم وقوانین کا ذخیرہ ان عورتوں یعنی ازواجِ مطہراتؓ کے ذریعہ سے معلوم ہوا، نہ صرف فلسفۂ تدبیرِ منزل [1] اور قوانینِ معاشرت ازواج کے ذریعہ سے معلوم ہوئے بلکہ فلسفہ تہذیب الاخلاق اور قوانین رضوانِ خداوندی، سیاست مدینہ [2] وغیرہ میں بھی بہت زیادہ علوم کا استفادہ ان کے ذریعہ سے

---

[1] گھریلو نظام [2] ملکی سیاست

ہوا ہے خصوصًا حضرت عائشہ تو سب میں مثل آفتاب علوم وفقہ وحکمت وشعروغیرہ (میں ممتاز) معلوم ہوئی ہیں، صحابہ رضوان اللہ علیہم پر جب کبھی کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تھا اور کوئی صورت فیصلہ کی نہیں ہو سکتی تھی تو ان ازواج کی طرف رجوع کرتے اور مفید باتیں معلوم کرتے تھے تقریبًا نصف ان کے اور خصوصًا حضرت عائشہ کے ذریعہ سے معلوم ہوئیں اس مقام کی تفصیل کتب حدیث میں مکمل موجود ہے۔

تعددِ ازواج کا سیاسی پہلو :

علاوہ ازیں ان امورِ مذکورہ کے تعددِ ازواج سے بہت سے سیاسی مسائل کا بھی عمل ہوا ہے اور مختلف خاندانوں سے تعلقات قائم ہوکر اسلامی ترقیات کے اسباب وسائل وجود میں آئے ہیں اور غالبًا یہی وجہ ہے کہ کوئی عورت آپ کے نکاح میں بنی ہاشم میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ اپنا خاندان تھا اس سے تعلق پیدا کرنا کوئی اہم امر نہ تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ آپ کی شان تعددِ ازواج میں اُمت سے نرالی اور علیحدہ ہے اس لیے ان کو چار سے زیادہ کی اجازت نہیں ہوسکتی۔

آنحضرت ﷺ کی قوتِ رجولیت اور انتہائی نفس کُشی :

اب ہم ناظرین کو ایک دوسری طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں جنابِ رسول اللہ ﷺ کی آخری عمر ہے اور اُمور مذکورۃ الصدر ایسے ایسے درپیش ہیں مگر اس حالت میں نو عورتیں نکاح میں موجود ہیں اور ہر ایک کے پاس نوبت بہ نوبت شب باشی فرماتے ہیں چونکہ ہر عورت کی نوبت کم سے کم آٹھویں دن آتی ہے لہٰذا اس عورت کو حقوق ادا کرنے کی بنا پر (اسی قسم کے مقام پر حضرت عبداللہ بن عمرو اور ابو درداء رضی اللہ عنہم وغیرہ سے یہ ارشاد مروی ہے وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا) ضرور بالضرور ہر شب ہم بستری کی نوبت آتی ہے اس لیے اندازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جس ہستی میں قوتِ مجامعیت اس بڑھاپے میں باوجود اس قدر موانع کے اتنی ہو کہ وہ ہر شب میں کم سے کم ایک مرتبہ ہمبستری کرے اُس کی قوت جوانی کے زمانہ میں کتنی ہوگی پھر اُس کا پچیس برس تک بے زوجہ رہنا اور پچیس برس کے بعد پچیس برس تک فقط ایک ہی (بوڑھی) زوجہ پر اکتفا کرنا کس قدر اپنے نفس کو مارنا اور زہد وریاضت کرنا ہوگا، ہر شخص انصاف وعقل سے اس کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

ہم ناظرین کو اب پھر دوسرے امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، صحیح احادیث میں واقعات ایسے موجود ہیں کہ آپ نے ایک شب میں کبھی کبھی اپنی تمام ازواج جن کی شمار اُس وقت نو تک کی تھی ہمبستری فرمائی اور یہ واقعات آخری عمر کے ہیں خصوصًا حجۃ الوداع کا واقعہ جو ذی الحلیفہ میں احرام سے پہلے ظہور میں آیا۔ اس لیے غور کرنے کا مقام ہے جس مقدس شخص کی قوت تریسٹھ برس کی عمر میں باوجود احوالِ مذکورۃ الصدر اتنی ہو اُس کی طاقت جوانی اور ادھیڑ پن کے زمانہ میں کس قدر ہوگی اور اُس کا اس زمانہ میں عفت اور عصمت کے ساتھ بے نکاح اور فقط ایک عورت کے ساتھ رہنا کتنا بڑا سخت کام ہوگا۔

اس مقام پر اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایک شب میں جناب رسول اللہ ﷺ کا ہر عورت کے پاس جانا اور ہمبستری کرنا محض شرعی مصلحتوں اور قوانین کے بیان کی غرض سے ہوا تھا جس سے غسلِ احرام، انصاف بین النساء، حسنِ معاشرت وغیرہ کے بہت سے مسائل معلوم ہوتے ہیں مگر باوجود اِن جملہ امور کے ہماری معروضہ بات پر بھی نہایت تیز روشنی پڑتی ہے۔

ایک اہم نکتہ :

ہم ناظرین کو پھر ایک اور اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں صحیح حدیث میں موجود ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب یہ بیان کیا کہ ایک شب میں آپ نے تمام موجودہ ازواج کے ساتھ ہمبستری فرمائی تو لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ اتنی طاقت جنابِ رسول اللہ ﷺ میں موجود تھی ؟ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ آپس میں اُس زمانہ میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو چالیس مردوں کی قوتِ باہ عطا کی گئی ہے، یہ قول حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نہایت صحیح اور قوی معلوم ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس آخری عمر میں اس قدر موانع کے موجود ہوتے ہوئے آپ کو روزانہ ایک زوجہ سے ہمبستری کی طاقت نہیں ہو سکتی تھی چہ جائیکہ نو عورتوں سے ایک شب میں ہم بستر ہوں۔

اب اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ جبکہ اُمت کے ہر ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے تو جنابِ رسول اللہ ﷺ کو ایک سو ساٹھ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہونا چاہیے اور جبکہ

احادِ اُمت [1] میں چار عورتوں کی قوت ہے تو آپ میں ایک سو ساٹھ عورتوں کے سنبھالنے کی قوت ہونی چاہیے اس لحاظ سے جنابِ رسول اللہ ﷺ کا پچیس برس تک بلا زوجہ رہنا اور پچاس برس تک کی عمر تک فقط ایک زوجہ پر کفایت کرنا کیا انتہائی تشدد اپنے نفس پر نہ ہوگا اور کیا اس کے بعد بھی فقط نو عورتوں پر کفایت کرنا اعلیٰ درجہ کی ریاضت نہ ہوگی۔

ہم ناظرین کو اس کے بعد ایک اور ضروری بات یاد دلانا چاہتے ہیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ خصائصِ کبری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مقولہ مذکورۃ الصدر نقل فرماتے ہیں کہ جن چالیس مردوں کی قوتِ باہ آپ کو دی گئی تھی وہ اس دنیا کے مرد نہیں بلکہ جنت کے چالیس مردوں کی قوت آپ کو دی گئی تھی اور چونکہ احادیثِ صحیحین سے یہ بات دکھائی گئی ہے کہ جنت میں ہر مرد کو دنیا کے سو مردوں کی قوت دی جائے گی اس لیے آنحضرت علیہ السلام میں دنیا کے چار ہزار مردوں کی قوت ہونی چاہیے اس لحاظ سے با قاعدۂ چار ازواج چاہیے کہ آپ کو سولہ ہزار ازواج کی اجازت دی جائے اور آپ میں اتنی ہی ازواج کی قوت موجود ہونی چاہیے۔ اب اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص میں سولہ ہزار عورتوں کی قوتِ باہ موجود ہے اُس کا پچیس برس تک بے نکاح عفت کے ساتھ رہنا اور پچپن برس تک فقط ایک عورت کے ساتھ رہنا اور اس کے بعد بھی صرف نو عورتوں تک کفایت کرنا نفس کُشی کا کتنا بڑا مرتبہ ہے اور پھر اسی کے ساتھ نو عمر دوشیزہ لڑکیوں کی طرف رغبت نہ کرنا، اجنبی عورتوں سے اس قدر پرہیز رکھنا کہ بیعت کے وقت میں بھی ان کو فقط پردہ کے اندر سے بلا مصافحہ بیعت کرنا کسی قسم کے خلط و ملط کو غیر عورتوں سے روا نہ رکھنا یہ اعلیٰ درجہ کی پاکدامنی اور عصمت نہیں تو کیا ہے ؟ ؟ ! ! !

وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ

ننگِ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

[1] اُمت کے افراد

قسط : ۱۱

تبلیغِ دین

﴿ حجۃ الاسلام حضرت اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ﴾

حَامِدً وَّ مُصَلِّیًا ! اِس زمانے میں اَجزائے دین میں سے اَخلاقِ حسنہ کو عوام نے اِعتقادًا اور خواص نے عمدًا چھوڑ دیا ہے اِس سے جو مفاسدِ دینیہ اور دُنیویہ پیدا ہورہے ہیں اُس کا یہی علاج ہے کہ اِس کی تعلیم اور اِس کی تنبیہ کی جائے چنانچہ سلف نے اِس میں مختلف و متعدد کتابیں لکھی ہیں اُن سب میں جامع اور آسان تصنیف حجۃ الاسلام حضرت اِمام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے ، اُن میں رسالہ ''اَربعین'' یعنی ''تبلیغِ دین'' مختصر اور آسان ہے اَکابرین خصوصیت کے ساتھ اپنے مریدین کو اِس کتاب کے پڑھنے کا اِرشاد فرماتے تھے اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا عاشق اِلٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کہ اُنہوں نے اِس کتاب کا اُردو ترجمہ نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ظاہر اور باطن کی اِصلاح کی توفیق عطا فرمائے اور اِس کو نافع اور مقبول بنائے، خانقاہِ حامدیہ کی طرف اِسے نذرِ قارئین کیا جارہا ہے۔ (اِدارہ)

مذموم اخلاق کی تفصیل اور طہارتِ قلب کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : جس نے اپنا قلب پاک بنالیا وہی فلاح کو پہنچا۔ (سورہ اعلیٰ)

رسولِ مقبول ﷺ فرماتے ہیں ''طہارت نصف ایمان ہے'' کیونکہ ایمان کے دو جزو ہیں یعنی قلب کا اُن نجاستوں سے پاک کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور اُن خوبیوں سے آراستہ کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہیں گویا نجاست سے طہارت (پاک) کرنا ایمان کا ایک جزو ہے اور طاعت سے زینت

وآرائش اِس کا دوسرا ٹکڑا ہے لہٰذا اوّل وہ اخلاقِ ذمیمہ معلوم ہونے چاہئیں جن سے قلب کو پاک رکھنا ضروری ہے سواِن کے اصول بھی دس ہیں جن میں سے ہر ایک کا جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) پہلی اصل .... کثرتِ اکل اور حرصِ طعام کا بیان :

زیادہ کھانا اور پیٹ بھرنے کی ہوس بیسیوں گناہوں کی جڑ ہے کیونکہ اِس سے جماع کی خواہش بڑھتی ہے اور جب شہوت بڑھتی ہے تو مال حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ شہوتیں مال کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں اور اس کے بعد طلبِ جاہ کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ جاہ کے بغیر مال کا حاصل کرنا دُشوار ہے اور جب مال و جاہ کی خواہش پیدا ہوگی تو تکبر ریا حسد کینہ عداوت غرض بہتیری آفتیں جمع ہوجائیں گی اور دین کی تباہی کا پورا سامان اکٹھا ہو جائے گا اس لیے حدیث میں بھوک کی زیادہ فضیلت آئی ہے رسولِ مقبول ﷺ فرماتے ہیں کہ آدمی کے لیے بھرنے کے واسطے پیٹ سے زیادہ کوئی بُرا برتن نہیں، آدمی کو ضرورت کے لیے تو چند لقمے کافی ہیں جن سے زندگی قائم ہو سکے اور کمر مضبوط رہے اور اگر اس سے زیادہ ہی کھانا ضروری ہے تو پیٹ کے تین حصے کر لینے چاہئیں، تہائی حصہ کھانے کے لیے ہو اور تہائی حصہ پانی پینے کے لیے ہو اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے خالی چھوڑ دیا جائے۔

تقلیلِ طعام کے فوائد :

بھوک میں فائدے تو بے شمار ہیں مگر ہم ان میں سے چند بڑے فائدوں کا ذکر کرتے ہیں جن کو اُصول کہنا چاہیے اور درحقیقت آخرت کی سعادت کا حاصل ہونا اِن ہی پر موقوف ہے۔

اوّل : قلب میں صفائی اور بصیرت میں روشنی حاصل ہوتی ہے کیونکہ پیٹ بھر لینے سے بلادت (سستی اور طبیعت کا کند ہونا) پیدا ہوتی ہے اور قلب کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں اور جب ذکاوت جاتی رہی تو معرفت الٰہی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔

دوم : دل رقیق ہوجاتا ہے اور مناجات میں مزہ آتا ہے کیونکہ جب یہ توبرہ خالی ہوگا تو اپنے مالک کے سامنے سوال و اِلتجا اور دعا کرنے میں لطف آئے گا اور خوف وخشیت (اللہ کا ڈر) وانکسار پیدا

ہو گا جو معرفت کے حاصل کرنے کی کنجیاں ہیں۔

سوم : سرکش نفس ذلیل اور مغلوب ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب دُشمنِ خدا کو شکست ہوئی اور غفلت کا دروازہ بند ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی جانب توجہ ہوگی اور سعادت کا دروازہ کھل جائے گا یہی وجہ ہے کہ جب رسولِ مقبول ﷺ پر دنیا پیش کی گئی تو آپ نے منظور نہیں فرمائی اور یوں عرض کیا کہ بارِ الٰہا میں چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھرے تاکہ شکر ادا کروں اور ایک دن فاقہ ہو تاکہ صبر کروں۔

چہارم : آخرت کی مصیبتوں اور عذاب کی تکلیفوں کا دنیا میں بھی کچھ مزہ چکھنا چاہیے تاکہ ان کی اذیت سے نفس خبردار ہو کر ڈرے اور ظاہر ہے کہ بھوک سے زیادہ انسان اپنے نفس کو کوئی عذاب نہیں پہنچا سکتا کیونکہ اِس میں کسی قسم کے تکلف اور سامان فراہم کرنے کی حاجت نہیں ہے اور جب بھوک کی وجہ سے عذابِ الٰہی کا ہر وقت مشاہدہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ کی معصیت کی جانب توجہ بھی نہ ہوگی اور نافرمانی کی جرأت نہ ہو سکے گی۔

پنجم : تمام شہوتیں کمزور ہو جاتی ہیں کہ کسی خواہش کے پورا ہونے کی آرزو نہیں رہتی اور دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں نے پیٹ بھر کر کھایا تو ضرور کوئی نہ کوئی گناہ مجھ سے صادر ہوا یا کم سے کم گناہ کا قصد تو ہی ہو گیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''رسولِ مقبول ﷺ کے بعد سب سے پہلی بدعت جو اِیجاد ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانا ہے'' پس جب مسلمانوں کے پیٹ بھرنے لگے تو ان کے نفس اُن کو دنیا کی طرف کھینچ لے گئے۔

ششم : زیادہ نیند نہیں آتی اور عبادت گراں نہیں گزرتی کیونکہ پیٹ بھر کے کھانے سے نیند کا غلبہ ہوا کرتا ہے اور نیند سے عمر بھی کم ہوتی ہے کیونکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرنے دیتی، حضرت ابوسلیمان درانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے شکم سیر ہو کر کھایا ہے اُن میں چھ خصلتیں پیدا ہوئیں :

(۱) عبادت کی حلاوت جاتی رہی۔

(۲) حکمت وفراست اور ذکاوت ونورِ معرفت کا حاصل ہونا دُشوار پڑ گیا۔

(۳) مخلوقِ خدا پر شفقت اور ترس کھانے سے محرومی ہوئی کیونکہ سب کو اپنا ہی جیسا

پیٹ بھرا ہوا سمجھا۔

(۴) معدہ بھاری ہو گیا۔

(۵) خواہشاتِ نفسانی زیادہ ہو گئیں۔

(۶) یہ حالت ہو گی کہ مسلمان مسجدوں میں آ رہے ہوں گے اور یہ بیت الخلا جا رہا ہو گا اللہ کے بندے بیت اللہ کا چکر لگائیں گے اور یہ کوڑیوں کا گشت کر رہا ہو گا۔

ہفتم : دنیوی تفکرات کم ہو جائیں گے اور فکر معاش کا بار ہلکا ہو جائے گا کیونکہ جب بھوک کی عادت ہو گی تو تھوڑی سی دنیا پر قناعت کر سکے گا اور پیٹ کی خواہش کو پورا کرنے کو دوسروں سے قرض نہ لے گا بلکہ اپنے ہی نفس سے قرض مانگ لے گا یعنی اس کو خالی رکھے گا۔ شیخ ابراہیم ابن ادہمؒ سے جب کہا جاتا تھا کہ فلاں چیز گراں ہو گئی تو یوں فرمادیا کرتے تھے کہ "ترک کردو اور اس کی خواہش چھوڑ کر اس کو اَرزاں بنادو" اس سے زیادہ سستی چیز کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو خریدا ہی نہ جائے۔

مقدارِ طعام کے مراتب :

چونکہ شکم سیری اور زیادہ کھانے کی لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے اس لیے یک لخت اس کا چھوڑنا دُشوار ہے لہٰذا اپنی خوراک میں روزانہ ایک لقمہ کم کر دیا کرو تو مہینہ بھر میں ایک روٹی کم ہو جائے گی اور کچھ گراں بھی نہ گزرے گا اور جب اس کی عادت ہو جائے تو اب مقدار اور وقت اور جنس کی طرف توجہ کرو کہ رفتہ رفتہ اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاؤ، یاد رکھو کہ کھانے کی مقدار کے تین درجے ہیں :

اعلیٰ درجہ : صدیقین کا ہے یعنی بس اتنا کھانا چاہیے کہ جس سے کمی کرنے میں زندگی جاتی رہے یا عقل میں فتور آ جائے، اِس سے زیادہ کھانا اس مرتبہ میں گویا پیٹ بھر کر کھانا ہے جس کی ممانعت ہے۔

حضرت سہلؒ کے نزدیک یہی مختار ہے ان کی رائے یہ تھی کہ بھوک کے ضعف کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا شکم سیری کی قوت کے سبب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

متوسط درجہ : یہ ہے کہ روزانہ نصف مد یعنی دو تہائی رطل (ایک رطل چوالیس تولہ یعنی کچھ

اُوپر آدھ سیر کا ہوتا ہے) پر اکتفا کیا کرو۔ حضرت عمر فاروق اور اکثر صحابہ کی عادت تھی کہ ہفتہ بھر میں ایک صاع (ایک صاع تخمیناً ساڑھے تین سیر انگریزی وزن کا ہوتا ہے) جو سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔

ادنیٰ درجہ : یہ ہے کہ روزانہ ایک مد کی مقدار کھاؤ، اگر اس سے زیادہ کھاؤ گے تو پیٹ کے بندے سمجھے جاؤ گے اور چونکہ مقدار خوراک کے بارے میں لوگوں کی طبیعتیں اور حالات مختلف ہوتے ہیں لہٰذا سب کے لیے ایک مقدار معین نہیں ہو سکتی چنانچہ دیکھا جاتا ہے بعض لوگ سیر بھر اناج کھا سکتے ہیں اور بعض آدمیوں سے پاؤ بھر بھی نہیں کھایا جاتا اس لیے قاعدہ کلیہ یاد رکھو کہ جب اشتہائے صادق ہو تو کھانے کی جانب ہاتھ بڑھاؤ اور یہ اشتہا پوری نہ ہونے پائے کہ ہاتھ روک لو اور صادق اشتہا کی علامت یہ ہے کہ جیسی بھی روٹی سامنے آجائے اُس کو سالن اور ترکاری کے بغیر کھانے کی رغبت ہو کیونکہ جب خالص گیہوں کی خواہش ہوئی یا سالن کے بغیر روٹی کھانا گراں گزرا تو معلوم ہوا کہ بھوک کی سچی خواہش نہیں ہے بلکہ طبیعت کو لذت اور ذائقہ کی جانب ایسا میلان ہے جیسا شکم سیر ہونے کے بعد پھل یا میوہ کا ہوا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا نام بھوک نہیں ہے بلکہ تفکہ اور تلذذ (مزہ اور لذت حاصل کرنا) ہے۔

وقتِ اکل کے مختلف درجات :

کھانے کے وقت میں بھی کئی درجے ہیں :

اعلیٰ درجہ : تو یہ ہے کہ کم سے کم تین دن بھوکے رہ کر چوتھے دن کھایا کرو، دیکھو حضرت صدیق پے درپے چھ چھ دن تک بھوکے رہتے تھے اور حضرت ابراہیم بن ادہم اور حضرت سفیان ثوری سات دن بھوکے رہنے کے عادی تھے اور بعض بزرگوں کے فاقہ کی نوبت چالیس دن تک پہنچی ہے اور یاد رکھو کہ جو شخص چالیس دن تک بھوکا رہے گا اُس پر مَلکوتی عجائبات اور اسرار میں سے کوئی راز ضرور منکشف ہوگا اور چونکہ یک لخت اس کا حاصل کرنا بھی دُشوار ہے اس لیے آہستہ آہستہ بھوک کی عادت ڈالو۔

متوسط درجہ : یہ ہے کہ دو دن بھوکے رہو اور تیسرے دن کھایا کرو۔

ادنیٰ درجہ : یہ ہے کہ روزانہ صرف ایک دفعہ کھایا کرو کیونکہ دونوں وقت کھانے سے بھوک کی کبھی حاجت ہی نہ ہوگی پس جو شخص دو وقتہ کھانے کا عادی ہے اُس کو بھوک کا مزہ ہی معلوم نہیں ہوسکتا کہ کیسا ہوتا ہے۔

جنسِ طعام کے مراتب مختلفہ :

جنس میں اعلیٰ درجہ گیہوں کی روٹی کا ترکاری کے ساتھ کھانا ہے اور ادنیٰ درجہ جو کی روٹی کو بلا ترکاری کھانا ہے۔ یاد رکھو کہ ترکاری کی عادت اور مداومت بہت بری ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ صاحبزادے کبھی گوشت روٹی کھاؤ اور کبھی روٹی و گھی اور کبھی دودھ روٹی، کبھی سرکہ روٹی کبھی زیتون کے ساتھ روٹی کھاؤ اور کبھی نمک کے ساتھ اور کبھی صرف روٹی پر قناعت کیا کرو، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی اُن لوگوں کے لیے ہے جن کو ترکاری کی ہمیشہ عادت ہے۔

سالکوں کو ترکِ لذائذ کی ضرورت :

جو اہلِ طریقت اور سالک ہیں اُن کو ترکاری کیا معنٰی، ساری ہی مزہ دار چیزوں اور خواہشوں کے پورا کرنے سے منع کیا جاتا ہے، بعض بزرگوں نے ایک چیز کی خواہش کو دس دس اور بیس بیس برس روکے رکھا اور پورا نہیں ہونے دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری اُمت میں بدتر لوگ وہ ہیں جن کے بدن عمدہ غذاؤں اور لذیذ طعام سے پرورش پائے ہوئے ہیں، ایسے لوگوں کی ہمتیں بس طرح طرح کے کھانوں اور قسم قسم کے لباسوں ہی کی جانب متوجہ ہیں کہ منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں بناتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں کرتے۔ (جاری ہے)

قسط : ۲

فضائلِ مسجد

حضرت مولانا صدرالدین صاحب انصاری ، انڈیا
تلمیذ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

✡ ✡ ✡

مسجد بنانا :

عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہُ ﷺ مَنْ بَنَی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ .[۱]

''حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لیے کوئی مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیتا ہے۔''

اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں، ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی اللہ کے لیے مسجد بناتا ہے اُس کا گھر جنت میں ہوگا، حضرت عثمانؓ بن عفان کی روایت میں ہے کہ مسجد بنانے والے کے واسطے مسجد جیسا ایک گھر جنت میں بنا دیا جاتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مسجد بنانے والے کے لیے مسجد سے بڑا گھر جنت میں بنا دیتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے جو آدمی اپنی حلال کمائی میں سے اللہ کی عبادت کے لیے کوئی گھر بناتا ہے اللہ جل شانہٗ جنت میں اُس کے لیے موتی اور یاقوت کا محل بنا دیتے ہیں، ایک اور حدیث میں ہے کہ مساجد کی تعمیر باقی رہنے والی نیکیوں میں ہے، حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث آگے آرہی ہے جس میں صراحۃً حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جن اعمال کا ثواب بندے کو مرنے کے بعد پہنچتا رہتا ہے اُن میں وہ مسجد بھی ہے جس کو اُس نے اپنی زندگی میں بنوا دیا ہو۔

---

[۱] مشکوۃ شریف کتاب الصلوۃ رقم الحدیث ۶۹۷

لیکن مسجد بنانے کے لیے بھی سارے اعمالِ خیر کی طرح بنیادی شرط یہ ہے کہ بنانے والے کی غرض اللہ کی رضا کے سوا اور کچھ نہ ہو، دکھاوا اور ریا کا بالکل شائبہ نہ ہو، کسی نخوت و تکبر یا کسی اور دنیاوی غرض کے لیے نہ ہو کیونکہ اگر ریا کے لیے مسجد بنوائی یا کوئی بھی عملِ خیر کیا تو اُس میں ثواب ملنا تو درکنار خطرہ ہے کہ لینے کے دینے نہ پڑ جائیں، ریا اور دکھاوا بہت بری چیز ہے بلکہ یہ تو شرکِ اصغر ہے، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کام میں بھی میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کرے گا تو میں اُس کو اُس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دوں گا، حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ریا شرکِ اصغر ہے قرآن شریف میں لوگوں کو دکھاوے کے لیے مال خرچ کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہے :

﴿ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا﴾ (سُورۃ البقرۃ : ۲۶۴)

''جو شخص اپنا مال لوگوں کو دکھانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا اُس کی حالت ایسی ہی ہے جیسے ایک چکنا پتھر جس پر کچھ مٹی ہو پھر اِس زور کی بارش ہو تو اُس کو بالکل صاف کر دے، ایسے لوگوں کو اپنی کمائی بالکل ہاتھ نہ لگے گی۔''

دوسری ایک آیات میں منافقین کی صفات میں آیا ہے کہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اس لیے اگر کسی نے مسجد بنوائی اُس میں اپنا مال خرچ کیا مگر اُس کی غرض خدا کی رضا نہ ہوئی تو وہ مسجد اُس کے لیے صدقہ جاریہ تو کیا بنتی اُس کے لیے اور مصیبت کا باعث بن جائے گی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب لوگوں کے فیصلے کیے جائیں گے تو پہلے فیصلے کیے جانے والے لوگوں میں ایسا آدمی بھی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے خوب مال و دولت عطا فرمائی تھی اُس کو حضورِ خداوندی میں پیش کیا جائے گا اور اُس کو اللہ

کی دی ہوئی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی، اس کو سب نعمتیں یاد آجائیں گی تو اُس سے سوال کیا جائے گا کہ تو نے ہماری ان نعمتوں کا کیا کیا ؟ وہ کہے گا کہ کوئی ایسا مصرف جس میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے نہیں چھوڑا میں نے سارے خیر کے کاموں میں مال خرچ کیا، ارشاد ہوگا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے صرف اس لیے خرچ کیا کہ تجھے سخی کہا جائے چنانچہ تجھے سخی کہا جاچکا (تیری غرض حاصل ہوچکی ہے، تیرا مقصد خدا کی رضا نہ تھی) پھر حکم دیا جائے گا اور اُس کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اَللّٰھُمَّ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو دکھاوا کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کو بہت رُسوا فرمائیں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ریا سے محفوظ رکھے۔

یہاں کچھ لوگوں کو شبہ ہوسکتا ہے کہ جب آدمی کوئی اچھا کام کرے گا تو لوگ اُس کو اچھا کہیں گے ہی، تو بات یہ ہے کہ مقصود نیت کی صفائی اور اخلاص ہے، اللہ جل شانہٗ عالم الغیب ہیں نیتوں کا حال جانتے ہیں نیت صاف و پاک ہونی چاہیے پھر اِس دنیا میں بھی اگر لوگ تعریف کرتے ہیں تو یہ اللہ کا احسان اور اُس کی نعمت ہے شکر کا مقام ہے تکبر کی اجازت نہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضور ! ایسے شخص کے متعلق کیا ارشاد ہے جو نیکی کا کام کرے اور لوگ اُس عملِ خیر پر اُس کی تعریف کرنے لگیں تو حضور ﷺ نے فرمایا : تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ .[۱]

ایک ضروری بات یہ ہے کہ لوگ بلا سمجھے بوجھے علماء سے معلوم کیے بغیر مسجدیں بنوا دیتے ہیں کبھی کبھی نئی مسجدیں مسلمانوں میں افتراق کا سبب بن جاتی ہیں یا پہلی مسجدیں ویران ہوجاتی ہیں حالانکہ جس زمین پر ایک مرتبہ مسجد بنا دی جائے وہ زمین تا قیامت مسجد بن جاتی ہے اُس کو آباد رکھنا ضروری ہے، اس زمین پر مسجد کی عمارت رہے یا نہ رہے نہ کوئی اور عمارت بنائی جاسکتی ہے نہ اُس زمین کو کسی اور مصرف میں استعمال کیا جاسکتا ہے، آج بھی ہزاروں مسجدیں ایسی ہیں جن کے لیے نمازی نہیں ملتے، گرد و غبار کا ڈھیر گندگی کی کوڑیاں بنی ہوئی ہیں پھر اِس کی پاداش تمام مسلمانوں پر پڑتی ہے اس لیے

[۱] مسلم شریف کتاب البر و الصلة و الاداب رقم الحدیث ۲۶۴۲

مسجد بنانے سے پہلے علماء کرام سے مشورہ کرنا ضروری ہے جو وہاں کے ہر قسم کے حالات دیکھ کر مشورہ دیں گے، اس موضوع کے متعلق آگے بھی چند باتیں آئیں گی۔

صدقاتِ جاریہ :

(۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ مِمَّا یَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِہٖ وَحَسَنَاتِہٖ بَعْدَ مَوْتِہٖ عِلْمًا عَلَّمَہٗ وَنَشَرَہٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَکَہٗ اَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَہٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاہُ اَوْ بَیْتًا لِابْنِ السَّبِیْلِ بَنَاہُ اَوْ نَھْرًا اَجْرَاہُ اَوْ صَدَقَۃً اَخْرَجَھَا مِنْ مَّالِہٖ فِیْ صِحَّتِہٖ وَحَیَاتِہٖ تَلْحَقُہٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِہٖ. [۱]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا مومن کو جن اعمال اور نیکیوں کا ثواب اُس کے مرنے کے بعد پہنچتا ہے اُن میں سے ایک تو علم ہے جس کو اُس نے سیکھا اور سکھایا اور پھیلایا، دوسرے نیک اولاد ہے جس کو اِس دنیا میں چھوڑا، تیسرے قرآنِ کریم ہے جسے ورثہ میں چھوڑا اپنے وارثوں کے لیے چھوڑا، چوتھے وہ مسجد ہے جس کو اپنی زندگی میں بنادیا ہو، پانچویں مسافر خانہ ہے جس کو تعمیر کیا ہو، چھٹے نہر ہے جسے جاری کرایا ہو یا بنوایا ہو اور ساتویں وہ خیرات ہے جس کو اُس نے اپنی تندرستی اور زندگی میں اپنے مال سے نکالا ہو، ان تمام چیزوں کا ثواب اُس کے مرنے کے بعد پہنچتا رہتا ہے۔''

جب آدمی نے خلوصِ نیت سے اللہ کے لیے مسجد بنائی تو اُس نے اپنے لیے ایسا صدقہ جاریہ بنالیا کہ جب تک اِس دنیا میں مسجدیں قائم ہیں اُس کو ثواب ملتا رہے گا مسجد چونکہ اللہ کے ذکر کے لیے ہوتی ہے اس لیے اُس میں نمازیں ہوں گی، قرآن شریف کی تلاوت ہوگی، اللہ کا ذکر ہوگا، لوگ اعتکاف کریں گے، دین پھیلے گا، اللہ ان سب اعمالِ خیر کے بدلے اُس کو ثواب دیتا رہے گا۔

---

[۱] مشکوۃ شریف کتاب العلم رقم الحدیث ۲۵۴

(۱) علم سیکھنا اور سکھانا :

اس کی فضیلت اور بھی بہت سی احادیث میں آئی ہیں حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین کا علم حاصل کرو، علم سیکھنا خدا سے ڈرنے کا موجب ہے، علم حاصل کرنا عبادت ہے، ایسے شخص کو علم سکھانا جو نہ جانتا ہو صدقہ کا ثواب رکھتا ہے، ضرورت کے موقع پر علم کا خرچ کرنا ثواب ہے، علم سے حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے، علم جنت والوں اور نیک لوگوں کے راستے کا نشان ہے، تنہائی میں علم ساتھی ہوتا ہے، غربت میں دوست، راحت یا مصیبت دونوں حالتوں میں علم راہبری کرتا ہے، دشمنوں کے مقابلہ کے لیے مضبوط ہتھیار ہے، علم کی بدولت اللہ تعالیٰ پسماندہ قوموں کو بلند کرتا ہے ان کو رہبر اور مقتدا بنا دیتا ہے لوگ اُن کا اتباع کرنے لگتے ہیں، علم والوں کے لیے دنیا کی ہر خشک وتر یہاں تک کہ دریاؤں کی مچھلیاں، کیڑے، مکوڑے، جنگل کے درندے بھی استغفار کرتے ہیں علم دلوں کو جہالت کی موت سے نکال کر عزت کی زندگی بخشتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں اس کا کچھ بیان آگے بھی آرہا ہے یہاں اتنی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں اور اس کے علاوہ جتنی حدیثوں میں علم کی ترغیب آئی ہے اُس سے مراد ایسا علم ہے جس سے کسی قسم کا دینی نفع ہو اور جس علم سے دین کو نقصان پہنچے ایسا علم تو نہ سیکھنا ہی بہتر ہے۔

اس حدیث میں آیا ہے کہ علم سیکھ کر سکھا دینے کا ثواب مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے تو یہ صاف سی بات ہے آپ نے علم سیکھا اور دوسرے کو سکھایا اُس نے تیسرے کو سکھایا، اسی طرح سلسلہ جاری ہوگیا سارے محدثین ومفسرین اور فقہا اور علمِ دین کے سیکھنے سکھانے والوں کو ثواب ابھی تک پہنچ رہا ہے اور پہنچتا رہے گا۔

(۲) نیک اولاد :

جب آدمی کی اولاد نیک ہوگی تو وہ نہ صرف اپنے والدین کے لیے استغفار کرے گی ثواب پہنچائے گی بلکہ چونکہ آپ نے اس کی دینی تربیت کی ہے اس لیے وہ جو بھی نیک کام کرے گی حق تعالیٰ

انشاء اللہ اُس کے ثواب سے آپ کو ضرور حصہ دیں گے، حدیث میں ہے کہ خیر کی طرف راہنمائی کرنے والا اُس کے کرنے والے کے برابر ہے کہ وہ ذاتِ ارحم الراحمین ہے، اسی لیے سب کو چاہیے کہ اپنی اولاد کی تربیت کی طرف خاص دھیان دیں اس بات کی پوری کوشش کریں کہ اُس کو دین کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہو، صالح ہو، دین کا علم ہو اور مزید کی طلب ہو۔

والدین کا اولاد کے ساتھ سب سے بڑا سلوک یہی ہے کہ وہ اُس کو دین کا ادب سکھائیں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے پر ادب سکھانے سے بڑا کوئی احسان نہیں کرتا۔ ایک حدیث کا مفہوم یہی ہے کہ جس نے بچہ کی اتنی تربیت کی کہ اُسے کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سکھا دیا تو اس کی مغفرت ہوگئی۔

(۳) ورثہ میں چھوڑا ہوا قرآن شریف :

حدیث سے دونوں مطلب سمجھ میں آتے ہیں یعنی قرآن شریف کا کوئی نسخہ چھوڑا یا اپنی زندگی میں قرآن شریف پڑھا دیا، دوسری صورت میں ظاہر ہے ثواب کی انتہا ہی نہیں، پہلی صورت میں بھی حصولِ ثواب میں کوئی اشکال نہیں جو بھی پڑھے گا چھوڑنے والے کو ثواب ضرور ملے گا۔

(۴) مسافر خانہ اور نہر بنانا :

یہ دونوں چیزیں اور سب ایسے کام کہ جن سے اللہ کے بندوں کو نفع پہنچے بہت ہی ثواب کے موجب ہیں، جب تک لوگوں کو اِن سے فائدہ پہنچتا رہے گا اللہ تعالیٰ بانی کو ثواب پہنچاتے رہیں گے مگر شرط وہی ہے کہ کسی دنیاوی شہرت کی طلب نہ ہو بلکہ صرف اللہ کے لیے ہو، کسی ایسی جگہ پانی کا انتظام کر دینا جہاں پانی کی دقت ہو وہ بھی نہر بنانے کے حکم میں ہے۔

(۵) صدقہ :

احادیث میں اِس کی بہت تاکید ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی صدقہ دیتا ہے چاہے وہ کھجور ہی کے برابر کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے (یعنی پوری

پوری تعظیم کرتا ہے) بشرطیکہ پاک کمائی سے دیا ہو کیونکہ اللہ پاک چیز کو پسند کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو پالتا ہے اور بڑھاتا ہے یہاں تک کہ ایک کھجور ایک پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے۔

(۳) عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّہٗ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِی الدُّوْرِ وَاَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَیَّبَ. ۱؎

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھروں میں مسجد بنانے اور ان کو صاف ستھرا رکھنے اور ان میں خوشبو لگانے کا حکم فرمایا۔''

گھروں میں مسجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں کوئی جگہ ایسی بنالی جائے جو ہر وقت پاک وصاف رہے اور نوافل وغیرہ نماز کے لیے مخصوص ہو، گھر کی عورتیں بھی اسی جگہ نماز پڑھا کریں اور اعکاف اسی جگہ کیا کریں، مرد بھی ان گھریلو مسجدوں میں سنتیں اور نوافل پڑھا کریں، ان مقامات میں کبھی کبھی خوشبو بھی لگایا کریں مگر یہ یاد رکھیں کہ یہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں اس کا یہ مقصد نہیں کہ یہ اصل مسجد کا بدل ہو جائے گی نہ اِس کی وجہ سے محلّہ کی مسجد چھوڑی جا سکتی ہے، ان جگہوں کو گرمی وسردی کے اعتبار سے بھی بدلا جا سکتا ہے اور ان مقامات کو دوسرے پاک مقاصد میں استعمال کیا جا سکتا ہے ان کی خرید وفروخت بھی ہو سکتی ہے۔

مسجدیں آباد رکھنا :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰی اُولٰئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ ﴾ ۲؎

''اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا انہیں لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاویں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں سو ایسے لوگوں کی نسبت توقع (یعنی وعدہ) ہے کہ اپنے مقصود تک پہنچ جاویں گے۔''

۱؎ ترمذی شریف ابواب السفر رقم الحدیث ۵۹۴ ۲؎ سُورہ براءۃ : ۱۸

اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ مشرکوں کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ مسجدیں بنائیں اور ان کو آباد کریں اور اس آیت میں مسجدیں بنانے والوں اور ان کے آباد کرنے والوں کی تفصیلی حالت بتائی گئی ہے کہ مسجدیں تو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لاتے ہیں قیامت پر ایمان رکھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے پھر کہا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے متعلق یہی توقع ہے کہ وہ اپنے مقصود تک پہنچ جائیں گے ہدایت یافتہ ہوں گے۔

اس آیت میں اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان، زکوۃ و نماز کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، ظاہر ہے کہ غیر خدا سے ڈرنے والا کیا مسجد کی اہمیت کو سمجھے گا اور کیا اس کو آباد کرے گا ! مسجد کی آبادی تو یہی ہے کہ اس کو یہ سمجھ کر آباد رکھا جائے کہ یہ اُس ذاتِ برحق کا دربار ہے جس کے قبضے میں ہر چیز ہے اس کی رضا ہی دونوں جہاں کی کامیابی ہے اور اس کی ناراضگی دونوں جہاں کی تباہی ہے۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہوئے مسجدوں کو آباد رکھیں گے اُن کے لیے ہدایت کا وعدہ ہے اور جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب فرمادے اُن سے بڑا اور معزز کون ہوسکتا ہے ؟

اس سے اگلی آیت کا مطلب ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کا آباد رکھنا (اور اسی قسم کے رفاہِ عام کے سب کام) ایمان کے برابر نہیں ہوسکتے اصل بنیادی چیز تو ایمان ہے اس کے بغیر کسی چیز کا ثواب نہیں مل سکتا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت آگے آرہی ہے کہ جب کسی آدمی کو مسجد کا پابند پاؤ تو اُس کے مومن ہونے کی گواہی دو، مقصد یہی ہے کہ دربارِ خداوندی کی حیثیت تو وہی جانتا ہے جو مومن ہو اور جو مومن نہ ہوگا وہ صحیح طور پر مسجد کا پابند ہو ہی نہیں سکتا۔

﴿ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ o رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ o لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴾ (النور : ۳۶ - ۳۸)

''وہ ایسے گھروں میں (جا کر عبادت کرتے ہیں جن کی نسبت) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اِن کا ادب کیا جائے اور اِن میں اللہ کا نام لیا جائے، ان (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد ہے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوۃ دینے سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت اور وہ ایسے دن کی دارو گیر سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں اُلٹ جائیں گی، ان لوگوں کا یہ انجام ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دے گا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بے شمار دیتا ہے۔''

یہاں اکثر صحابۂ کرام ؓ نے گھر سے مراد مسجد ہی لی ہے آیتِ کریمہ میں بہت تفصیل کے ساتھ مسجد کی غرض اور مسجدیں آباد کرنے والوں کی صفات اور ان کے انعامات بتائے گئے ہیں۔

(۱) مسجدوں کی غرض تو یہ بتائی گئی ہے کہ وہ صرف اللہ کے ذکر کے لیے یعنی نماز اور دوسری عبادتوں کے لیے ہوتی ہیں وہ کسی دنیوی غرض کے لیے نہیں بنائی جاتی ہیں اس لیے ان کا احترام بہت ضروری ہے۔

(۲) مسجدیں آباد کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ وہ صبح و شام ان کے گھروں میں نماز و ذکر کے ذریعے اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، وہ اس خانۂ خدا کا بے حد احترام کرتے ہیں، تجارت خرید و فروخت یا دنیوی کسی قسم کا لالچ ان کو اللہ کے ذکر سے، نمازوں کی پابندی کرنے اور زکوۃ دینے سے نہیں روک سکتا۔

(۳) اور ان کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی ان عبادتوں کو بھی کسی دنیوی لالچ سے نہیں کرتے بلکہ ان کو آخرت کا ڈر ہے اور وہ اُس دن سے گھبراتے ہیں جب آقائے کل دارو گیر کرے گا ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ (باقی صفحہ ۶۴)

عقیدۂ ختمِ نبوت کی عظمت واہمیت
قرآن وسنت کی روشنی میں

﴿ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہیدؒ ﴾

یہ اسلام کا ایک اجماعی اور بنیادی عقیدہ ہے کہ نبوت اور رسالت کا سلسلہ امام الانبیاء سیّد المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر ختم کر دیا گیا، آپ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں آپ کے بعد کسی شخص کو منصبِ نبوت پر فائز نہیں کیا جائے گا قرآنِ مجید میں ارشاد ہے :

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔'' (سورۃ الاحزاب)

تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ ''خاتم النبیین'' کے معنی یہ ہیں کہ آپ آخری نبی ہیں آپ کے بعد کسی کو منصبِ نبوت پر فائز نہیں کیا جائے گا چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں :

''یہ آیت اس مسئلے میں نص ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول بدرجۂ اولیٰ نہیں ہو سکتا کیونکہ مقامِ نبوت مقامِ رسالت سے عام ہے کیونکہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا اور اس مسئلے پر کہ آپ کے بعد کوئی نبی ورسول نہیں، آنحضرت ﷺ کی متواتر احادیث وارد ہیں جو صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں۔'' [1]

دوسری جانب یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے متواتر احادیث میں اپنے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرمایا اور ختمِ نبوت کی ایسی تشریح بھی فرمادی کہ اس کے بعد آپ کے آخری نبی ہونے میں کوئی شک وشبہ اور تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہی، متعدد اکابر نے ان احادیث ختمِ نبوت

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۳

کے متواتر ہونے کی تصریح کی ہے چنانچہ حافظ ابن حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں :

''وہ تمام حضرات جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت آپ کے معجزات اور آپ کی کتاب (قرآنِ کریم) کو نقل کیا ہے اُنہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے یہ خبر دی تھی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (کتاب الفصل ج ۱ ص ۷۷)

حافظ ابن کثیرؒ آیت خاتم النبیین کے تحت لکھتے ہیں :

''ختمِ نبوت پر آنحضرت ﷺ سے احادیثِ متواترہ وارد ہوئی ہیں جنہیں صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت نے بیان فرمایا۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۳)

مشہور مفسر علامہ سیّد محمود آلوسیؒ تفسیر ''روح المعانی'' میں زیرِ آیت خاتم النبیین لکھتے ہیں :

''آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسی حقیقت ہے کہ جس پر قرآن ناطق ہے احادیثِ نبوی نے جسے اشگاف طور پر بیان فرمایا ہے اور اُمت نے جس پر اجماع کیا پس جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہو اُسے کافر اور غیر مسلم قرار دیا جائے گا۔''

اُمت کا اِس پر اجماع ہے کہ ختمِ نبوت کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے :

عقیدۂ ختمِ نبوت جس طرح قرآنِ کریم کے نصوصِ قطعی سے ثابت ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ متواترہ سے بھی ثابت ہے یہاں اختصار کے مدنظر صرف چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں :

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بہت ہی حسین و جمیل محل بنایا مگر اُس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ، لوگ اُس کے گرد گھومنے اور اُس پر عش عش کرنے لگے اور یہ کہنے لگے کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ لگا دی گئی ؟ آپ نے فرمایا'' میں وہی (کونے کی آخری) اینٹ ہوں اور میں نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں۔''[۱]

---

[۱] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۸ ۔ صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۱ ص ۵۰۱

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :
''مجھے چھ چیزوں میں انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے : (۱) مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے (۲) رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی (۳) مالِ غنیمت میرے لیے حلال کر دیا گیا (۴) رُوئے زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنا دیا گیا (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا (۶) اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔'' [۱]

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا : ''تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' [۲]

☆ مسلم شریف میں روایت ہے کہ ''میرے بعد نبوت نہیں۔'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۸)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا : ''بنی اسرائیل کی قیادت خود اُن کے انبیاء کیا کرتے تھے جب کسی نبی کی وفات ہوتی تو اُن کی جگہ دوسرا نبی آتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے۔'' [۳]

☆ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :
''میری اُمت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔'' [۴]

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :
''رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔'' [۵]

---

[۱] صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹۔ مشکوۃ ص ۵۱۲ [۲] صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۳
[۳] صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۱۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۶۔ مسندِ احمد ج ۲ ص ۲۹۷
[۴] ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۸۔ ترمذی ج ۲ ص ۴۵ ۔ [۵] ترمذی ج ۲ ص ۵۱۔ مسندِ احمد ج ۳ ص ۲۶۷

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ''ہم سب کے بعد آئے اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے صرف اتنا ہوا کہ انہیں کتاب ہم سے پہلے دی گئی۔'' ۱

☆ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔'' ۲

☆ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''میرے چند نام ہیں: میں ''محمد'' ہوں، میں ''احمد'' ہوں، میں ''ماحی'' (مٹانے والا) ہوں کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا اور میں ''حاشر'' (جمع کرنے والا) ہوں کہ یہ لوگ میرے قدموں پر اُٹھائے جائیں گے اور میں ''عاقب'' (سب کے بعد آنے والا) ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' ۳ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کے دو اسمائے گرامی آپ کے خاتم النبیین ہونے کی دلالت کرتے ہیں :

اوّل ''الحاشر'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی شریعت نہیں، سو چو کہ آپ کی اُمت کے بعد کوئی اُمت نہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اس لیے ''حشر'' کو آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا کیونکہ آپ کی تشریف آوری کے بعد ''حشر'' ہوگا۔ ۴ ''

دوسرا اسم گرامی ''العاقب'' جس کی تفسیر خود حدیث میں موجود ہے یعنی آپ کے بعد کوئی نبی نہیں

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں : آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے : ''مجھے اور قیامت کو ان دو اُنگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد اور کوئی نبی نہیں، میرے بعد بس قیامت ہے، جیسا کہ اُنگشت شہادت درمیانی اُنگلی کے متصل واقع ہے، دونوں کے درمیان اور کوئی اُنگلی نہیں اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں۔'' ۵

---

۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۰۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۲ ۲ ترمذی ج ۲ ص ۲۰۹ ۳ مشکوۃ شریف ص ۵۱۵
۴ فتح الباری ج ۶ ص ۵۵۷ ۵ التذکرۃ فی احوال الموتٰی واُمور الاخرۃ ص ۱۱۷

چونکہ مسئلہ ختمِ نبوت پر قرآنِ کریم کی آیات اور احادیثِ متواترہ وارد ہیں اس لیے یہ عقیدہ اُمت میں متواتر چلا آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی شخص منصبِ نبوت پر فائز نہیں ہوسکتا اور جو شخص آپ کے بعد نبوت کا دعوی کرے وہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

☆ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''شرح فقہ فتح اکبر'' میں لکھتے ہیں کہ ''ہمارے نبی ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے۔'' [1]

☆ حافظ ابن حزم اُندلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الفصل والاھواء والنحل'' میں لکھتے ہیں ''جس کثیر التعداد جماعت اور جمِ غفیر نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور نشانات اور قرآنِ مجید کو نقل کیا ہے اُسی کثیر التعداد جماعت اور جمِ غفیر کی نقل سے حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

حافظ ابن حزمؒ ایک جگہ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ اور حضور علیہ السلام کا ارشاد ''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' یہ سن کر کوئی مسلمان کیسے جائز سمجھ سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد زمین میں کسی نبی کی بعثت ثابت کی جائے۔''

بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ نبوت آپ کی تشریف آوری پر پوری ہوگئی آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا، ان احادیث میں سے ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ میری اُمت میں تقریباً تیس جھوٹے دجال ہوں گے اُن میں سے ہر ایک یہ دعوی کرے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا [2] چنانچہ قرآنِ کریم، احادیثِ متواترہ اور اجماعِ اُمت کی رُو سے آنحضرت ﷺ بلا استثناء تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے علی الاطلاق خاتم ہیں اس لیے آپ کے بعد کوئی شخص کسی معنی و مفہوم میں بھی نبی نہیں کہلا سکتا نہ منصبِ نبوت پر فائز ہوسکتا ہے اور جو شخص اِس کا مدعی ہو وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

✡ ✡ ✡

---

[1] شرح فقہ فتح اکبر ص ۲۰۲ [2] ایضاً ص ۹۶

اولاد کی تعلیم و تربیت

﴿ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ ﴾

بہت سے لوگوں کو اولاد کی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں اور اولاد گلی کوچوں میں بھٹکتی پھرتی ہے، بچوں کے لیے پیٹ کی روٹی اور تن کے کپڑوں کا تو انتظام کر دیتے ہیں لیکن اُن کی باطنی پرورش یعنی اخلاقی تربیت کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے، ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کے اپنے ماں باپ نے اُن کا ناس کھویا تھا اُنہیں پتہ ہی نہیں کہ تربیت کیا چیز ہے اور بچوں کو کیا سکھائیں اور کیا سمجھائیں ؟ اس عظیم غفلت میں اُن لوگوں کا بھی حصہ ہے جو خود تو نمازی ہیں اور کچھ اخلاق و آداب سے بھی واقف ہیں لیکن ملازمت یا تجارت میں اس طرح اپنے آپ کو پھنسا دیا ہے کہ بچوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے اُن کے پاس گویا وقت ہی نہیں حالانکہ زیادہ کمانے کی ضرورت اولاد ہی کے لیے ہوتی ہے، جب زیادہ کمانے کی وجہ خود اولاد ہی کے اعمال و اخلاق کا خون ہو جائے تو ایسا کمانا کس کام کا ؟

بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو اچھا خاصا علم بھی رکھتے ہیں مصلح بھی ہیں اور مرشد بھی ہیں دُنیا بھر کے لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں سفر پر سفر کرتے رہتے ہیں، کبھی یہاں وعظ کہا کبھی وہاں تقریر کی، کبھی کوئی رسالہ لکھا کبھی کوئی کتاب تالیف کی لیکن اولاد کی اصلاح سے بالکل غافل ہیں حالانکہ اپنے گھر کی خبر لینا سب سے بڑی ذمہ داری ہے اولاد کی جانب سے جب چند سال غفلت برت لیتے ہیں اور اُن کی عمر دس بارہ سال ہو جاتی ہے تو اب اُن کو صحیح راہ پر لگانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں توجہ تو ہے لیکن وہ اولاد کو حقیقی علم سے بالکل محروم رکھتے ہیں یعنی اولاد کو اسلام نہیں سکھاتے، بیس بیس سال کی اولاد ہو جاتی ہے جنہیں کلمہ تک یاد نہیں ہوتا، یہ لوگ نہ نماز جانیں، نہ اُس کے فرائض نہ واجبات جانیں، نہ اسلام کے عقائد پہچانیں، نہ دین کو جانیں

اس قسم کے لڑکوں اور لڑکیوں کے والدین یورپ کے طور طریق سب کچھ سکھاتے ہیں، کوٹ پتلون پہننا بتاتے ہیں، اپنے ہاتھ سے اُن کے گلوں میں ٹائی باندھتے ہیں، ناچ رنگ کے طریقے سمجھاتے ہیں، عورتیں بیاہ شادی کی رسمیں بتاتی ہیں، شرکیہ باتوں کی تعلیم دیتی ہیں اور اس طرح سے ماں باپ دونوں مل کر بچوں کا خون کر دیتے ہیں اور طرّہ یہ کہ اِن کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا بچہ اور بچی ماڈرن ہیں انگریز بن رہے ہیں ترقی یافتہ لوگوں میں شمار ہونے لگے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ان کی آخرت برباد ہوگئی اعمالِ بد کے خوگر ہو گئے اسلام سے جاہل رہ گئے۔ احادیث میں ارشاد ہوتا ہے :

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاَنْ یُّؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهٗ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِصَاعٍ (مشکوۃ شریف رقم الحدیث ۴۹۷۶)

''حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور فخر عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اپنے بچہ کو اَدب سکھائے تو بلا شبہ یہ اِس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ وغیرہ صدقہ کرے۔''

وَعَنْ اَیُّوْبَ بْنِ مُوْسٰی عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهٗ مِنْ نُّحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ. (مشکوۃ شریف رقم الحدیث ۴۹۷۷)

''حضرت عمرو بن سعیدؓ سے روایت ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی باپ نے اپنے بچہ کو کوئی ایسی بخشش نہیں دی جو اچھے اَدب سے بڑھ کر ہو۔''

''ادب'' بہت جامع کلمہ ہے، انسانی زندگی کے طور طریق کو اَدب کہا جاتا ہے، زندگی گزارنے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں آتے ہیں، بندہ اللہ جل شانہٗ کے بارے میں جو عقائد رکھنے پر مامور ہے اور اللہ کے احکام پر چلنے کا جو ذمہ دار بنایا گیا ہے یہ وہ آداب ہیں جو بندے کو اللہ کے اور اپنے درمیان صحیح تعلق رکھنے کے لیے ضروری ہیں، فرائض اور واجبات، سُنن اور مستحبات وہ اُمور ہیں جن کے انجام دینے سے حقوق اللہ کی ادائیگی ہوتی ہے اور مخلوق کے ساتھ جو انسان کے تعلقات ہوتے ہیں اُن میں اِن احکام کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے جو مخلوق کی راحت رسانی سے متعلق ہیں ان میں بھی واجبات اور

مستحبات ہیں اوران کی تفصیل وتشریح بھی شریعتِ محمدیہ میں وادر ہوئی ہے۔ یہ وہ آداب ہیں جن کا برتنا مخلوق کے لیے باعثِ راحت ورحمت ہے۔

خلاصہ یہ کہ لفظ اَدب کی جامعیت حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو شامل ہے، یہ جو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اچھے اَدب سے بڑھ کر کسی باپ نے اپنے بچہ کو کوئی بخشش نہیں دی، اس میں پورے دین کی تعلیم آجاتی ہے کیونکہ دین اسلام اچھے اَدب کی مکمل تشریح ہے۔ بہت سے لوگ لفظ اَدب کے معروف معنی لے کر اِس کا رواجی مطلب لے لیتے ہیں اور اُنہوں نے اُٹھنے بیٹھنے کے طریقوں تک ہی اَدب کا انحصار سمجھ رکھا ہے۔

حدیث میں یہ جو فرمایا کہ انسان اپنے بچہ کو اَدب سکھائے تو یہ اِس سے بہتر ہے کہ ایک صاع غلہ وغیرہ صدقہ کرے۔ اس میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ کہ صدقہ خیرات اگرچہ فی نفسہ بہت بڑی عبادت ہے (اگر اللہ کی رضا کے لیے ہو) لیکن اِس کا مرتبہ اپنی اولاد کی اصلاح پر توجہ دینے سے زیادہ نہیں ہے، بہت سے لوگوں کو اللہ جل شانہٗ نے مال دیا ہے اُس میں سے صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور اولاد کی طرف سے پوری غفلت برتتے ہیں، مسکین آرہے ہیں گھر پر کھا رہے ہیں غریبوں کی روٹی بندھی ہوئی ہے مدرسہ اور مسجدوں میں چندہ جارہا ہے لیکن اولاد بے اَدب، بداخلاق، بے دین بلکہ بد دین بنتی چلی جارہی ہے، صدقہ وخیرات کرنے پر خوش ہیں اور خوش ہونا بھی چاہیے لیکن اِس سے بڑھ کر عمل جو ہے جس کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے وہ اپنی اولاد کو ادب سکھانا ہے یعنی اللہ کے راستہ پر ڈالنا ہے اس کے لیے فکر مند ہونا لازمی اَمر ہے، اس غفلت سے نسلیں کی نسلیں تباہ ہوجاتی ہیں۔

ماں باپ کا فریضہ ہے کہ بچوں کو دین سکھائیں اور دین کو سب سے زیادہ اہمیت دیں کیونکہ دین ہی آخرت کی ہمیشہ والی زندگی میں کام آنے والا ہے، بہت سے لوگ بچوں سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں مگر اُن کی یہ محبت صرف دُنیاوی آرام وراحت تک محدود رہتی ہے، اُن کی اصل ضرورت یعنی آخرت کی نجات اور موت کے بعد کے آرام وراحت کی طرف توجہ نہیں کرتے، حلال مال سے حلال طریقے پر کھلانا پلانا اور پہنانا اچھی بات ہے لیکن انسان کی سب سے بڑی ضرورت آخرت کا آرام اور سکون ہے۔

بچوں کی خوشی کے لیے اُن کو غیر ضروری لباس بھی پہناتے ہیں، اُن کے لیے تصویریں مُورتیاں خرید کر لاتے ہیں اور اپنے گھروں کو اُن کی وجہ سے رحمت کے فرشتوں سے محروم رکھتے ہیں، اُدھار قرض کر کے اُن کی جائز ناجائز ضرورتوں اور شوقیہ زیب و زینت اور فیشن پر اچھی خاصی رقمیں خرچ کرتے ہیں لیکن اُن کو دین پر ڈالنے کی فکر نہیں کرتے، یہ بچوں کے ساتھ بہت بڑی دُشمنی ہے اگر دین نہیں تو آخرت کی تباہی ہوگی، وہاں کی تباہی کے سامنے دُنیا کی ذراسی چٹک مٹک اور چہل پہل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی، اپنی اولاد کے سب سے بڑے محسن وہ ماں باپ ہیں جو اپنی اولاد کو دینی علم پڑھاتے ہیں اور دینی اعمال پر ڈالتے ہیں، یہ علم نہ صرف اولاد کے لیے بلکہ خود اُن کے والدین کے لیے بھی قبر میں اور آخرت میں نفع مند ہوگ ایک بزرگ کا ارشاد ہے اِنَّ النَّاسَ نِيَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَهُوْا یعنی لوگ سو رہے ہیں جب موت آئے گی تو بیدار ہوں گے۔

آخرت سے بے فکری کی زندگی گزارنے میں انسان کا نفس خوش رہتا ہے اور یہی حال بال بچوں اور دوسرے متعلقین کا ہے، اگر آخرت کی باتیں نہ بتاؤ اور کھلائے پلائے جاؤ دُنیا کا نفع پہنچائے جاؤ تو ہشاش بشاش رہتے ہیں اور اِس تغافل کو باعثِ نقصان نہیں سمجھتے لیکن جب آنکھیں بند ہوں گی اور قبر کی گود میں جائیں گے اور موت کے بعد کے حالات دیکھیں گے تو حیرانی سے آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی عالَمِ آخرت کی ضرورتیں اور حاجتیں جب سامنے ہوں گی تو غفلت پر رنج ہوگا اور حسرت ہوگی کہ کاش آج کے دن کے لیے خود بھی عمل کرتے اور اولاد کو بھی یہاں کی کامیابی کی راہ پر ڈالتے مگر اُس وقت حسرت بے فائدہ ہوگی۔

لوگوں کا یہ حال ہے کہ بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی اسکول اور کالج کی نذر کر دیتے ہیں یا محنت و مزدُوری پر لگا دیتے ہیں، نماز روزہ سکھانے اور بتانے اور دینی فرائض سمجھانے اور اُن پر عمل کرانے کی کوئی فکر نہیں کرتے، شادیاں ہو جاتی ہیں باپ دادا بن جاتے ہیں لیکن بہت سوں کو کلمہ طیبہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتا، نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے اِس سے بھی واقف نہیں ہوتے، اَسّی اَسّی سال کے بوڑھوں کو دیکھا گیا ہے کہ دین کی موٹی موٹی باتیں بھی نہیں جانتے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ. ✿ ✿ ✿

قسط : ۳

دل کی حفاظت

﴿ حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری، انڈیا ﴾

حضراتِ صحابہ کرام وغیرہم کی سخاوت کے چند واقعات

حضرت ابوبکرؓ کی سخاوت :

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کچھ مانگنے حاضر ہوا تو آپ نے مجھے منع کر دیا، پھر حاضر ہوا پھر منع کر دیا تو میں نے عرض کیا کہ یا تو آپ مجھے عطا فرمائیں یا میں سمجھوں گا کہ آپ مجھ پر بخل کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ بخل سے بری کون سی بیماری ہوسکتی ہے، بات یہ ہے کہ جب تم مجھ سے مانگنے آئے تو میں نے تمہیں ایک ہزار دینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ آپ نے مجھے تین ہزار گن کر عنایت فرمائے۔ ۱

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا اُس وقت میرے پاس مال تھا چنانچہ میں نے سوچا آج تو میں حضرت ابوبکرؓ سے سبقت لے جاؤں گا چنانچہ میں آدھا مال لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا عمر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا ؟ میں نے عرض کیا آدھا چھوڑ کر آیا ہوں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اپنا کل مال لے کر حاضر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر جواب دیا کہ میں نے اپنے گھر والوں کے لیے صرف اللہ اور اُس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہہ دیا کہ اب آئندہ میں آپ سے سبقت لے جانے کا مقابلہ کبھی نہیں کروں گا۔ ۲

(۳) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام لائے تو چالیس ہزار درہم کے مالک تھے یہ ساری رقم اللہ کے راستے میں خرچ کر دی ۱ اور بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جن میں حضرت بلالؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ جیسے جلیل القدر حضرات شامل ہیں۔ ۳

---

۱ مکارم الاخلاق ص ۲۶۴ ۲ الترغیب والترہیب للیافعی ص ۸۷ ۳ مکارم الاخلاق

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کسی مال نے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا مجھے ابوبکرؓ کے مال نے نفع پہنچایا ہے، یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رونے لگے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ! میں اور میرا مال تو صرف آپ ہی کے لیے ہے۔[1]

حضرت عمرؓ کی سخاوت :

(۵) محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین سیّدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے کسی رشتہ دار نے ان سے سوال کیا، آپ نے اُسے ڈانٹ کر مجلس سے نکال دیا، اس واقعہ پر لوگوں میں تبصرہ ہوا اور حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا کہ فلاں شخص کو کیوں نکال دیا گیا ؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ شخص اللہ کے مال کے بارے میں سوال کرنے آیا تھا ، اس میں سے اگر اُسے دے دیتا تو پھر اللہ کے دربار میں قیامت کے دن خیانت کرنیوالے حاکم کی صورت میں پیش ہو کر کیا معذرت کرتا، اگر اس شخص کو مانگنا تھا تو میرے ذاتی مال کا سوال کرتا پھر آپ نے اُسے دس ہزار درہم بھجوائے۔[2]

حضرت عثمانِ غنیؓ کی سخاوت :

(۶) غزوۂ تبوک کے موقع پر سیّدنا حضرت عثمانؓ نے مثالی قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے تین سو اُونٹ مع ساز وسامان صدقہ فرمائے اور پھر ایک ہزار اشرفیاں لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں آپ کی گود میں ڈال دیا، راوی کہتا ہے کہ وہ اشرفیاں آنحضرت ﷺ اپنے دستِ مبارک سے اُلٹتے پلٹتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ مَاضَرَّا بْنُ عَفَّانَ مَا فَعَلَ بَعْدَ ھٰذَا (آج کے بعد عثمان کچھ بھی کرتے رہیں اُن کا کچھ نہ بگڑے گا) مطلب یہ ہے کہ اس صدقہ کی قبولیت کی برکت سے انہیں کامل خیر کی توفیق نصیب ہوگی۔[3]

(۷) ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قحط سالی ہوئی، سیّدنا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے شام کے علاقہ سے سو اُونٹ غلہ منگایا، جب غلہ سے بھرے اُونٹ مدینہ پہنچے تو شہر کے تاجر حضرت عثمانؓ کے

---

[1] اُسد الغابہ ج ۳/۲۲۲ [2] مکارم الاخلاق ص ۲۶۶ [3] مکارم الاخلاق ص ۲۶۶

پاس آئے اور درخواست کی کہ امیر المومنین ! جتنے درہم میں آپ نے یہ غلہ شام سے خریدا ہے اُسی کے برابر نفع دے کر ہم خریدنے کو تیار ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اِس سے زیادہ قیمت لگ چکی ہے تو تاجروں نے کہا اچھا دوگنے نفع پر دیجئے ،حضرت نے پھر جواب دیا کہ اس سے بھی زیادہ کا بھاؤ لگ چکا ہے، تاجر بھی نفع بڑھاتے رہے تا آنکہ پانچ گنے تک نفع پر آگئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر بھی تیار نہ ہوئے اور یہی فرماتے رہے کہ اِس کی زیادہ قیمت لگ چکی ہے، یہ سن کر تاجروں نے کہا کہ آخر کس نے آپ سے زیادہ قیمت لگادی مدینہ کے تاجر تو ہم ہی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دس گنا عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے تو کیا تم لوگ اتنا یا اس سے زیادہ دینے پر راضی ہو ؟ تاجروں نے انکار کردیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اے لوگو ! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ سارا غلہ مدینہ کے فقرا اور مساکین پر صدقہ ہے اور وہ غلہ سب محتاجوں میں تقسیم فرمادیا۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت :

ابوجعفر کہتے ہیں کہ اگرچہ انتقال کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تک پہنچ گئی تھی لیکن شہادت کے دن ستر ہزار درہم قرض تھے، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آخر اتنا زیادہ قرض آپ پر کیسے ہوگیا تو جواب ملا کہ بات یہ تھی کہ آپ کے وہ دوست احباب اور رشتہ دار جن کا مالِ غنیمت میں باقاعدہ حصہ مقرر نہیں آپ کے پاس آکر سوال کرتے تو آپ انہیں مرحمت فرماتے جاتے تھے،آپ کی وفات کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی جائیداد وغیرہ بیچ کر قرض ادا کیا اور ہر سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے سو غلام آزاد فرمایا کرتے تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس سنت کو زندہ رکھے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے پھر بعد میں یہ سنت جاری نہ رہ سکی [2]

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی سخاوت :

(۹) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی زمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سات لاکھ درہم میں بیچی، جب یہ رقم آپ کے پاس آئی تو آپ کو خیال ہوا کہ اگر یہ مال رات بھر رکھا رہا

---

[1] الترغیب والترہیب للیافعی ص ۸۷ [2] مکارم الاخلاق ص ۲۷۰

اور اسی دوران موت آگئی تو کیا ہوگا لہٰذا اسے اپنے خدام کے ذریعہ مدینہ کے فقراء و مساکین اور بیوہ عورتوں کو رات بھر تقسیم کراتے رہے تا آنکہ صبح ہوتے ہوئے ان میں سے ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔[1]

(۱۰) زیاد بن جریر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے ایک ہی مجلس میں ایک لاکھ درہم تقسیم فرمادیے جبکہ آپ کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ اپنی چادر کا کنارہ خود ہی سی لیا کرتے تھے۔[2]

حضرت عائشہؓ کی سخاوت :

(۱۱) ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی خالہ محترمہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دو تھیلیوں میں بھر کر اَسی ہزار درہم روانہ فرمائے، حضرت عائشہؓ اُس دن روزہ سے تھیں مگر صبح سے طبق میں دراہم رکھ کر فقراء اور محتاجین کو تقسیم کرنے تشریف فرما ہوئیں اور شام تک ساری رقم تقسیم فرمادی اور ایک درہم بھی باقی نہیں رہا، شام کو خادمہ افطار کے لیے حسبِ معمول روٹی اور تیل لائی اور عرض کیا کہ اماں جان ! اگر آپ اس مال میں سے ایک درہم بچا کر اس کا گوشت منگا لیتیں تو آج اسی سے افطار کر لیا جاتا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا : اگر تم پہلے سے یاد دلاتیں تو میں تمہاری خواہش پوری کر دیتی۔[3]

حضرت سعید بن زیدؓ کی سخاوت :

(۱۲) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آکر اللہ واسطے سوال کیا تو حضرت سعیدؓ نے اپنے غلام سے کہا کہ اسے پانچ سو دے دو، غلام نے پوچھا کہ حضرت ! دینار دُوں یا درہم ؟ حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ میرا ارادہ اصل میں درہم دینے کا تھا مگر جب تم نے سائل کے سامنے دینار کا ذکر کر دیا تو اب پانچ سو دینار ہی دے دو۔ یہ سن کر سائل رونے لگا حضرت سعیدؓ نے پوچھا کیوں روتے ہو ؟ اُس نے عرض کیا کہ میرے آقا ! میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ جیسے فضل و کرم والے کو زمین اپنے اندر کیسے سموئے گی۔[4]

---

[1] الترغیب والترہیب ص ۸۸ [2] الترغیب والترہیب ص ۸۹ [3] ایضًا ص ۸۸ [4] ایضًا ص ۸۹

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی سخاوت :

(۱۳) شہر بن حوشبؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس سوال کرنے آیا اُس وقت ان کی باندھی ان کے سامنے کسی خدمت میں لگی تھی ، حضرت عبداللہ نے اس سائل سے کہا کہ اِس باندی کو پکڑ کر لے جاؤ یہ تمہاری ہے ، یہ سن کر باندی بولی میرے آقا آپ نے مجھے مار ڈالا ، حضرت عبداللہ نے فرمایا یہ کیسے ؟ باندی نے کہا آپ نے مجھے ایسے شخص کو ہبہ کر دیا جس کی تنگدستی نے اسے سوال کرنے پر مجبور کر دیا ہے ، باندی کی یہ بات سن کر عبداللہ بن جعفرؓ نے اس سائل سے فرمایا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ باندی میرے ہاتھ فروخت کر دو ، اُس شخص نے کہا بہت اچھا جس قیمت پر چاہے آپ اسے لے لیں تو حضرت نے فرمایا میں نے اسے سو اَشرفی میں خریدا تھا اب تم مجھے دوسو اَشرفی میں اسے دے دو چنانچہ حضرت عبداللہ نے وہ باندی واپس لے لی اور سائل کو دوسو اَشرفی دے کر فرمایا جب یہ ختم ہو جائے تو پھر آجانا ، یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر باندی نے عرض کیا آقائے من ! میری وجہ سے آپ کو بڑا بوجھ اُٹھانا پڑا ، حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ تیری عزت میرے نزدیک تیرے اُوپر خرچ کیے گئے مال سے زیادہ ہے ۔ (مکارم الاخلاق ص ۲۷۳)

(۱۴) حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اپنے پڑوس کے چالیس خاندانوں پر خرچ کیا کرتے تھے اور عیدین کے موقع پر ان کے لیے کپڑے وغیرہ بنا کر بھیجتے تھے ، ایک مرتبہ آپ کا گزر ایک بستی پر ہوا گرمی سے بچنے کے لیے آپ ایک کھجور کے باغ میں ایک درخت کے سائے میں آرام فرما ہوئے اسی دوران آپ نے دیکھا کہ ایک حبشی غلام باغ کی نگرانی پر مامور ہے اُس کے لیے دوپہر کا کھانا لایا گیا جس میں روٹی کے چند ٹکڑے تھے ، جب اُس غلام نے کھانے کا ارادہ کیا تو وہاں ایک کتا آپہنچا اُس نے روٹی کا ایک ٹکڑا کتے کے سامنے پھینک دیا جب وہ کھا چکا تو دوسرا اور تیسرا ٹکڑا بھی پھینک دیا ، عبداللہ یہ ماجرہ دیکھ رہے تھے آپ نے اُس غلام سے پوچھا کہ روزانہ تمہارے کھانے کا کیا انتظام ہے ؟ اُس نے کہا کہ یہی روٹی کے تین ٹکڑے آجاتے ہیں ، حضرت عبداللہ نے پوچھا پھر تم نے اپنے مقابلہ میں کتے کو کیوں ترجیح دی ؟ تو اُس غلام نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ یہ علاقہ کتوں کا نہیں ہے یہ کتا

بہت دُور سے چل کر میرے پاس آیا ہے میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ یہ بیچارا محروم واپس جائے، حضرت عبداللہ نے پوچھا پھر اب تم دن بھر کیا کرو گے ؟ غلام نے جواب دیا کہ اب میں اگلے دن تک بھوکا رہوں گا، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں یہ سوچا کہ مجھے سخاوت پر ملامت کی جاتی ہے حالانکہ یہ غلام مجھ سے بھی بڑا سخی ہے پھر غلام سے پوچھا کہ اس باغ کا مالک کون ہے ؟ اُس نے بتایا کہ مدینہ میں رہنے والے فلاں شخص ہیں چنانچہ عبداللہ بن جعفرؓ جب مدینہ تشریف لائے تو اس باغ کے مالک سے پورا باغ غلام سمیت خرید لیا اور پھر غلام کو بلا کر فرمایا کہ تو اللہ کے لیے آزاد ہے اور یہ باغ تیری ملکیت ہے۔[1]

(۱۵) عبداللہ بن جعفرؓ کے صاحبزادے معاویہ سے پوچھا گیا کہ یہ بتلایئے کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی سخاوت کہاں تک پہنچی ہوئی تھی ؟ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ اپنے مال میں سب لوگوں کو برابر کا شریک سمجھتے تھے، جو بھی سائل آتا اُسے بھرپور عطا فرماتے، یہ نہ سوچتے کہ اِنہیں خود ضرورت ہے اس لیے دینے میں کمی کریں اور نہ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ بعد میں محتاج ہو جائیں گے اس لیے ذخیرہ کر کے رکھیں۔[2]

سیّدنا حضرت حسینؓ کی سخاوت :

(۱۶) ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں بیس یا تیس اُونٹ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوا تاکہ لوگوں سے کھجوروں کا سوال کروں تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمرو بن عثمان اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما اپنے اپنے باغوں میں ہیں اس لیے ان سے جا کر مانگو چنانچہ سب سے پہلے میں حضرت عمرو بن عثمانؓ کے پاس پہنچا اُنہوں نے دو اُونٹ بھر کر کھجوریں عطا فرمائیں پھر کسی شخص نے مجھے مشورہ دیا کہ تم حضرت حسینؓ کے پاس جاؤ چنانچہ میں اُن کے باغیچے میں پہنچا میں انہیں پہچانتا نہیں تھا، دیکھا کہ ایک آدمی زمین پر بیٹھا ہے اور اُس کے اردگرد غلام بیٹھے ہیں درمیان میں ایک بڑا پیالہ ہے جس میں موٹی روٹی اور گوشت ہے اور وہ سب مل کر کھا رہے ہیں، میں نے جا کر سلام کیا اور دل میں سوچا کہ یہ آدمی تو شاید کچھ

---

[1] الترغیب والترہیب ص ۹۰ [2] شعب الایمان ج ۴ ص ۴۳۷

بھی نہ دے، بہرحال حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ کھلایا پھر پانی کی ایک چھوٹی نہر کی طرف گئے اور پانی پیا اور ہاتھ دھوئے پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیسے آنا ہوا ؟ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے کچھ اُونٹ لے کر یہاں حاضر ہوا ہوں میرا ارادہ آپ حضرات سے کھجوریں لے کر انہیں بھر کر لے جانے کا ہے، حضرت نے فرمایا کہ جاؤ اپنے اُونٹ لے آؤ چنانچہ میں لے کر حاضر ہوا تو فرمایا کہ اِس کوٹھری میں چلے جاؤ اس میں کھجوریں رکھی ہوئی ہیں جتنا بھر سکو بھر لو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی ساری اُونٹنیاں بھر لی اور چلا آیا اور دل میں سوچنے لگا کہ واقعی یہ ہے سخاوت۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی سخاوت :

(١٧) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لائے اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مہمان ہوئے، آپ نے اپنا مکان حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے خالی فرمادیا اور کہا کہ جس طرح آپ نے (ہجرت کے موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا اب میں بھی آپ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کروں گا، پھر پوچھا کہ آپ پر کتنا قرض ہے ؟ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیس ہزار، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار عطا فرمائے اور ساتھ ہی بیس غلام دے کر فرمایا کہ گھر میں جو بھی سامان ہے وہ بھی آپ ہی کی مِلک ہے۔ [2]

خانوادۂ نبوت کی سخاوت کا نمونہ :

(١٨) حمید بن بلال رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کے دو آدمیوں میں بحث چھڑ گئی ایک نے کہا کہ میرا خاندان زیادہ سخی ہے دوسرے نے دعوی کیا کہ ہمارا خاندان زیادہ سخاوت کرنے والا ہے، بالآخر یہ بات طے ہوئی کہ اپنے اپنے خاندان والوں سے چندہ کا تجربہ کر کے فیصلہ کیا جائے چنانچہ دونوں شخص اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوئے، اُموی شخص نے اپنی قوم کے دس آدمیوں سے صرف ایک لاکھ درہم جمع کیے جبکہ ہاشمی شخص اولاً عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اُنہوں نے ایک لاکھ درہم عنایت کیے پھر سیّدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اُنہوں نے ایک لاکھ تیس ہزار درہم دیے پھر سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے

---

[1] مکارم الاخلاق ٢٧٥ [2] مکارم الاخلاق ص ٢٧٩

پاس آیا اُنہوں نے بھی ایک لاکھ تیس ہزار درہم دیے، اس طرح صرف تین حضرات سے تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم جمع ہو گئے چنانچہ ہاشمی اپنے دعوی میں اُموی پر غالب آ گیا، پھر یہ طے ہوا کہ یہ مال جن سے لیا ہے اُنہیں لوٹا دیا جائے چنانچہ اُموی شخص اپنا جمع کردہ مال لے کر مالکان کے پاس گیا اور پوری صورت واقعہ بتا کر مال واپس کر دیا اور ان سب نے قبول بھی کر لیا اور ہاشمی شخص جب مال لوٹانے گیا تو اُن حضرات نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم دے کر واپس نہیں لیا کرتے۔ ۱

حضرت لیث بن سعدؒ کی سخاوت :

(۱۹) حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بڑے مالدار تھے اِن کی سالانہ آمدنی اَسی ہزار اشرفی تھی لیکن کبھی بھی ان پر زکوۃ فرض نہیں ہوئی، وہ اپنا سب مال فقراء دوست احباب اور رشتہ داروں پر خرچ کر دیتے تھے اور سال کے ختم پر ان کے پاس بقدرِ نصاب مال باقی نہیں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عورت شیشہ کے پیالہ کو لے کر حاضری ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر بیمار ہے اسے شہد کی ضرورت ہے اس پیالہ میں شہد عطا فرما دیں، آپ نے اسے شہد کا پورا برتن دینے کا حکم فرمایا، لوگوں نے پوچھا کہ اُس نے تو صرف ایک پیالہ مانگا تھا آپ نے پورا برتن دے دیا تو آپ نے جواب دیا کہ اس نے اپنے اعتبار سے مانگا اور ہم نے اپنے اعتبار سے دیا۔ ۲

قتیبہؒ فرماتے ہیں کہ لیث بن سعد روزانہ متعدد مسکینوں پر صدقہ کیا کرتے تھے نیز امام مالکؒ ابن لہیعہ اور دیگر علماء کو ہدایا بھیجتے تھے۔ ۳

حضرت عبداللہ بن عامرؒ کی سخاوت :

(۲۰) حضرت عبداللہ بن عامرؒ نے خالد بن عقبہ سے ایک گھر ستر یا اسی ہزار درہم میں خریدا جب رات ہوئی تو محسوس ہوا کہ خالد کے گھر والے رو رہے ہیں، عبداللہ بن عامر نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ یہ رونے کی آواز کیسی ہے ؟ لوگوں نے جواب دیا کہ خالد کے گھر والے اپنے گھر کے فروخت ہونے پر غم کر رہے ہیں، یہ معلوم ہوتے ہی عبداللہ بن عامرؒ نے اُسی وقت اپنے غلام کو بھیجا کہ

۱ مکارم الاخلاق ۲۸۰ ۲ الترغیب والترہیب ص ۸۹ ۳ شعب الایمان ج ۷ ص ۴۴۹

جاؤ ان گھر والوں سے کہہ دو کہ پوری رقم اور گھر سب تمہاری ملکیت ہے۔ ۱

صلحاءِ اُمت کے یہ چند واقعات ہمارے لیے عبرت آموز اور نصیحت انگیز ہونے چاہئیں، ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے دل میں اپنے مال سے کیسا شدید لگاؤ پیدا ہو گیا ہے اور دوسروں کے مفاد کے مقابلہ میں ہمیں اپنا مفاد کتنا عزیز ہوتا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کا تقاضا اور اپنے دل کو رُوحانی امراض سے بچانے کا مقتضی یہی ہے کہ ہم اپنے مالوں میں حتی الوسع دوسروں کا بھی حق متعین کریں اور ضرورت مندوں کی ضروریات کا خیال رکھیں، اسی وجہ سے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے : نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ ۲ یعنی اچھا مال نیک آدمی کے لیے بہترین مددگار ہے وہ اِس کو صحیح جگہ خرچ کر کے اپنے لیے آخرت میں بہت اُونچے درجات حاصل کر سکتا ہے۔

جامعہ مدنیہ جدید کے فوری توجہ طلب ترجیحی اُمور

(۱) مسجد حامد کی تکمیل

(۲) طلباء کے لیے دارُالاقامہ (ہوسٹل) اور دَرسگاہیں

(۳) کتب خانہ اور کتابیں

(۴) پانی کی ٹنکی

ثواب جاریہ کے لیے سبقت لینے والوں کے لیے زیادہ اجر ہے۔ (اِدارہ)

---

۱ شعب الایمان ۷/ ۴۳۸ ۲ مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۷۔ الترغیب والترہیب ص ۹۰

اخبار الجامعہ

۱۴؍ اکتوبر کو شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد محمود میاں صاحب، حضرت مولانا قاضی ظہور الحسین صاحب مدظلم العالی کی دعوت پر چکوال میں منعقد ہونے والی سُنی کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے، رات بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے۔

مخیّر حضرات سے اَپیل

جامعہ مدنیہ جدید میں بحمد اللہ چار منزلہ دارُالاقامہ (ہوسٹل) کی تعمیر شروع ہو چکی ہے پہلی منزل پر ڈھائی کروڑ روپے کی لاگت کا تخمینہ ہے، مخیّر حضرات کو اِس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی دعوت دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (اِدارہ)

بقیہ : فضائل مسجد

(۴) پھر ایسے لوگوں کے بدلے کا ذکر ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے عملوں کا بہترین بدلہ دے گا نہ صرف بدلہ ہی دے گا بلکہ اپنے فضل و کرم سے انعامات کی بہت افراط کرے گا اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی بھی کمی نہیں جس کو جتنا چاہے دے دے کسی حساب و شمار کی پابندی نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جو لوگ کثرت سے مسجد میں جمع رہتے ہیں ذکر و نماز میں مشغول رہتے ہیں وہ مسجد کے کھونٹے ہیں فرشتے اُن کے ہم نشین ہوتے ہیں، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو فرشتے اُن کی عیادت کرتے ہیں اور وہ کسی کام کو جائیں تو فرشتے اُن کی مدد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو بھی نیک بندوں میں کر دے اور ان کے طفیل ہماری مغفرت فرما دے، آمین۔ (جاری ہے)

جامعہ مدنیہ جدید و مسجد حامدؒ

کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیجیے

بانئ جامعہ حضرت اَقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمہ اللہ نے جامعہ مدنیہ کی وسیع پیمانے پر ترقی کے لیے محمد آباد موضع پاجیاں (رائیونڈ روڈ لاہور نزد چوک تبلیغی جلسہ گاہ) پر برلبِ سڑک جامعہ اور خانقاہ کے لیے تقریباً چوبیس ایکڑ رقبہ ۱۹۸۱ء میں خرید کیا تھا جہاں الحمد للہ تعلیم اور تعمیر دونوں کام بڑے پیمانہ پر جاری ہیں۔ جامعہ اور مسجد کی تکمیل محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی طرف سے توفیق عطاء کیے گئے اہلِ خیر حضرات کی دُعاؤں اور تعاون سے ہوگی، اِس مبارک کام میں آپ خود بھی خرچ کیجیے اور اپنے عزیز واَقارب کو بھی ترغیب دیجیے۔ ایک اندازے کے مطابق مسجد میں ایک نمازی کی جگہ پر دس ہزار روپے لاگت آئے گی، حسبِ استطاعت زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی جگہ بنوا کر صدقۂ جاریہ کا سامان فرمائیں۔

منجانب

سیّد محمود میاں مہتمم جامعہ مدنیہ جدید و اَراکین اور خدام خانقاہِ حامدیہ

خطوط، عطیات اور چیک بھیجنے کے پتے

سیّد محمود میاں ''جامعہ مدنیہ جدید'' محمد آباد 19 کلومیٹر رائیونڈ روڈ لاہور

فون نمبر : 35399051 - 42 - 92+ 35399052 - 42 - 92+

موبائل نمبر 4249301 - 333 - 92+

جامعہ مدنیہ جدید کا اکاؤنٹ نمبر (0-7915-100-020-0954) MCB کریم پارک برانچ لاہور

مسجد حامد کا اکاؤنٹ نمبر (1-1046-100-040-0954) MCB کریم پارک برانچ لاہور

انوار مدینہ کا اکاؤنٹ نمبر (2-7914-100-020-0954) MCB کریم پارک برانچ لاہور

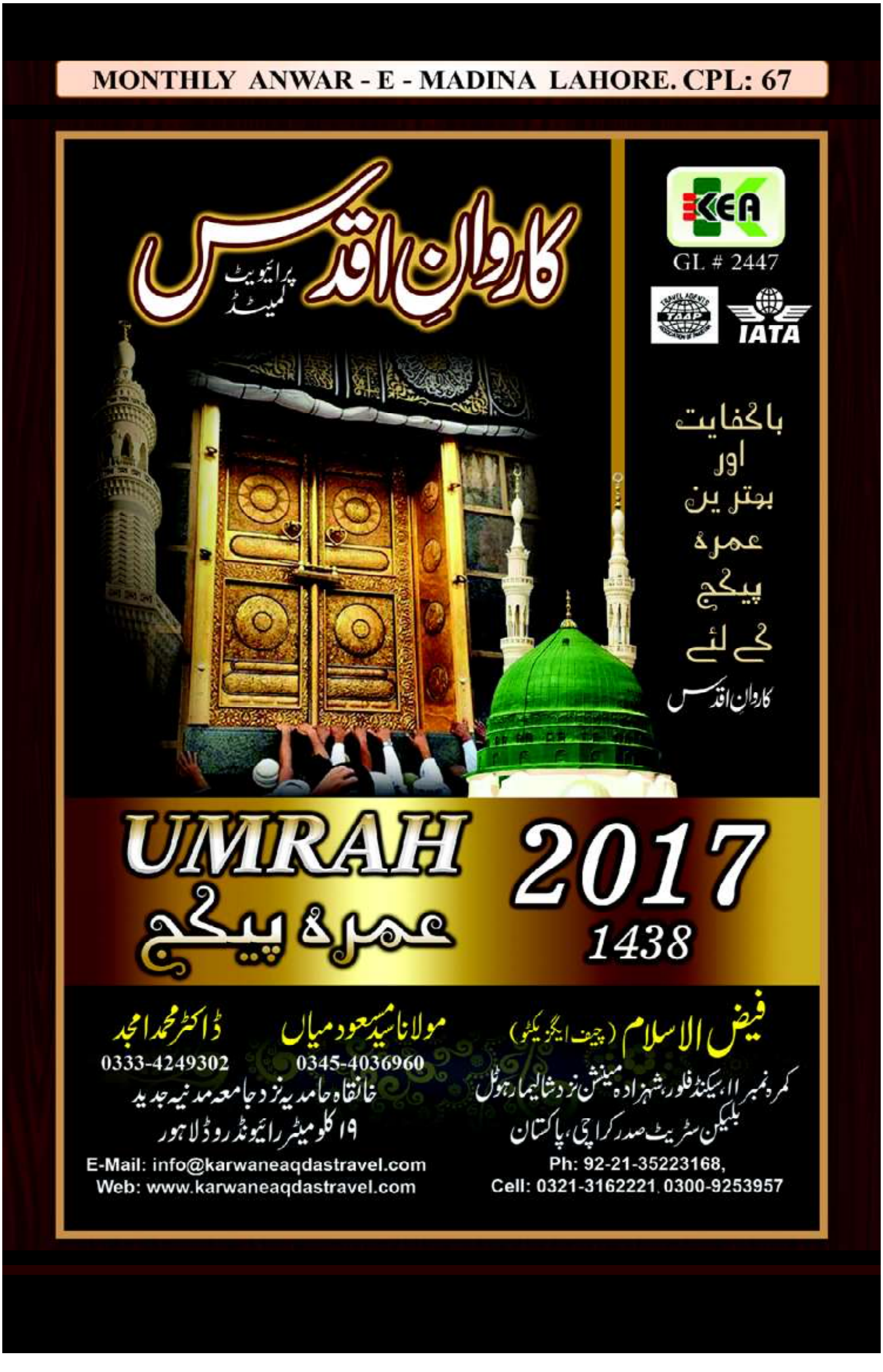
MONTHLY ANWAR - E - MADINA LAHORE. CPL: 67
کاروانِ اقدس
پرائیویٹ لمیٹڈ
GL # 2447
IATA
باکفایت
اور
بہترین
عمرہ
پیکج
کے لئے
کاروانِ اقدس
UMRAH 2017
عمرہ پیکج
1438
فیض الاسلام (چیف ایگزیکٹو)
کمرہ نمبر ۱۱، سیکنڈ فلور، شہزادہ مینشن نزد شالیمار ہوٹل
بلیکین سٹریٹ صدر کراچی، پاکستان
Ph: 92-21-35223168,
Cell: 0321-3162221, 0300-9253957
مولانا سید مسعود میاں
0345-4036960
ڈاکٹر محمد امجد
0333-4249302
خانقاہ حامدیہ نزد جامعہ مدنیہ جدید
۱۹ کلومیٹر رائیونڈ روڈ لاہور
E-Mail: info@karwaneaqdastravel.com
Web: www.karwaneaqdastravel.com